صحابی رسول ﷺ، کاتبِ وحی
سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
اور معاندین کے اعتراضات
مؤلف
مولانا عبدالعلیم فاروقی
مہتمم دار المبلغین لکھنؤ
محمود پبلی کیشنز
042-37321529
0302-4294779

صحابی رسول ﷺ، کاتبِ وحی

سیدنا حضرت

# امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

اور

# معاندین کے اعتراضات


مؤلف

## مولانا عبدالعلیم فاروقی

مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ



محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ

جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی، شاہدرہ، لاہور

نام کتاب: حضرت امیر معاویہؓ اور معاندین کے اعتراضات

مؤلف: مولانا عبد العلیم فاروقی مہتمم دار المبلغین لکھنؤ

سن طباعت: ۲۰۲۱ء

کمپوزنگ: عبد السمیع قاسمی پاٹا نالہ، لکھنؤ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ، ۲۲۰/۵۰ دریائی ٹولہ لکھنؤ

قیمت

## ملنے کے پتے

مکتبہ فاروقیہ ۲۲۰/۵۰ دریائی ٹولہ۔ لکھنؤ

الفرقان بکڈپو، نظیر آباد۔ لکھنؤ

مکتبہ اسلام، گوئن روڈ۔ لکھنؤ

احسان بکڈپو۔ شباب مارکیٹ ٹیگور مارگ۔ لکھنؤ

**Abdul Aleem Farooqui**

President All India Majlis-e-Tahaffuz-e-Namoos-e-Sahaba
Principal Darul Muballigeen Lucknow
Ameer-e-Shariat, Uttar Pradesh
Member Majlis-e-Shoora Darul Uloom Deoband
Member Majlis-e-Shoora Darul Uloom Nadwatul Ulama Lko
Vice President Jamiat Ulama-e-Hind
Chairman Deeni Taleemi Trust Lucknow

**عبدالعلیم الفاروقی**

رئیس مجلس تحفظ ناموس الصحابۃ لعموم الهند
مدیر دار المبلغین، لکناؤ
امیر الشریعۃ بولایۃ اتر پردیش، الهند
عضو المجلس الاستشاری بدار العلوم دیوبند
عضو المجلس الاستشاری بدار العلوم ندوۃ العلماء، لکناؤ
نائب رئیس جمعیۃ علماء الهند
رئیس وقف التعلیم الإسلامی، لکناؤ

Residence: [illegible] Chaudhry Garhaiya Lucknow-226003 Mob +91-9415583016 +91-[illegible] Email [illegible]


Ref. Date

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر جناب مولانا محمد تحسین جاوید صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی حال میں شائع ہونے والی ہماری دو مطبوعات کے سلسلہ میں آپ کا پیغام ملا کہ آپ اپنے یہاں ان کو شائع کرنا چاہتے ہیں۔ موضوع سے آپ کی مناسبت اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے نیازمندانہ تعلق اور عقیدت و محبت اور ان سے زیر تربیت علمی کاموں میں مشغولیت کے پیش نظر ہم آپ کو درج ذیل دونوں کتابوں کو شائع کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

(۱) حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور معاندین کے اعتراضات
مؤلف: (مولانا) عبدالعلیم فاروقی

(۲) امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ اور ان کی تحریک مدح صحابہ اور اس کے اثرات
از: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، مرتب: ابوالحسن علی فاروقی

(مولانا) عبدالعلیم فاروقی

۲۱ رمضان ۱۴۴۲ھ مطابق ۳ مئی ۲۰۲۱ء

اسلامِ ما اطاعتِ خلفاءِ راشدینؓ

ایمانِ ما محبتِ آلِ محمدؐ است

---

"صحابیت"

ایک وہی شیٔ ہے کبھی نہیں

وہی چیز کے لئے کوئی اپنا

"معیار"

نہیں بنایا جاتا

## فہرست مضامین

## پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداو مصلیا ومسلما

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان کی سب سے مضبوط کڑی اور واسطہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور ظاہر ہے کہ اس واسطہ کو درمیان سے ہٹا دینے یا غیر معتبر کردینے کے بعد امت کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا۔ نہ قرآن، نہ حدیث نہ ہی سیرتِ رسول ﷺ اور تعلیماتِ اسلام۔

یہ مقدس جماعت صحبتِ رسول کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کی گئی تھی،وہ دنیا کے عام انسانوں کی طرح نہیں تھے، اسی لئے قرآن وحدیث میں ان کو خاص مقام اور امتیاز عطا کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ خصوصی رعایت کا حکم دیا ہے کیونکہ خود رب ذوالجلال نے صحابہؓ کی وکالت کرتے ہوئے اپنے محبوب پیغمبرؐ کو ان کی رعایت کا حکم دیا تھا۔ اسی کے ساتھ قرآن کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر جہاں حضرت رسول پاک ﷺ کا تذکرہ کیا ہے وہیں نہایت عظمت وفضیلت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ نبیؐ کے لئے اگر کوئی بشارت ہے تو صحابہ کرامؓ بھی اس بشارت میں شریک ہیں، جس طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والوں سے اللہ نے اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے اسی طرح صحابہؓ کی پیروی کرنے والوں سے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول پر سکینہ نازل فرمایا تو صحابہؓ کو بھی اس میں شامل فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے محبت کرنے اور ان کی برائی و بدگوئی سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ اسی جماعت صحابہؓ میں سیدنا حضرت امیر معاویہؓ بھی ہیں۔ جو قرابت، نسبت، علم و عمل، فقہ و اجتہاد، علم و متانت، عقل و فراست اور شجاعت کی وجہ سے اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ اس لئے ان سے محبت کرنا اور ان کی طرف سے بدظنی اور بدگوئی سے بچنا بھی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

صحابہ کرامؓ کے خلاف دَورِ اول سے ہی بدگمانیوں اور بدزبانیوں کا بازار حاسدین کی طرف سے گرم رہا ہے اور یہ فتنہ ہر دَور میں علم و تحقیق کے نام پر صرف تاریخ کے سہارے دینی فضا کو مسموم کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ "بغضِ صحابہؓ" کے مریضوں کا متعدی وائرس کبھی کبھی "حبِ صحابہؓ" کا دم بھرنے والوں کو بھی متاثر کر دیتا ہے اور وہ جاہ پسندی دولت اندوزی اور شہرت طلبی کی ہوس میں یا نسبی تعصب اور خاندانی عناد کی بھڑاس نکالنے کے لئے چند صحابہؓ کو مطعون کرنے لگتے ہیں۔ اور ان طاعنین کا نشانہ حضرت معاویہؓ کی ذات گرامی ضرور بنتی ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ حب علیؓ و اہلِ بیت کی تکمیل بغضِ معاویہؓ کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔

ایسے حالات میں ضروری ہو جاتا ہے کہ ہر مسلمان امیر المومنین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے "دفاعِ معاویہؓ" کا فرض ادا کرے، ان کے کمالات و خوبیوں، ایمانی مقام اور قرابتِ رسولؐ کے تحفظ کی فکر و تدبیر کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حادثۂ صفین کے بعد اپنے طرفداروں کو جو حضرت معاویہؓ کی برائی کرنے لگے تھے تاکید کے ساتھ حکم دیا: ایھا الناس لاتکرھوا امارة معاویة واللہ لو فقدتموہ لقد رأیتم الرؤس تندر عن کواھلھا کالحنظل۔ (البدایہ والنہایہ

ج:۸ص۱۳۱) اے لوگو! تم معاویہؓ کی حکومت کو برا مت سمجھو کیونکہ اگر یہ حکومت نہ رہے گی تو تم دیکھو گے کہ تمھارے سروں کو اندرائن کی طرح تمھارے شانوں سے الگ کر دیا جائے گا۔

جنگِ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے حضرت معاویہؓ کو سب وشتم کیا اور ان کے ساتھیوں کو لعن طعن کیا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمان جاری کیا کہ اس حرکت سے باز آجاؤ، میں تمھارے گالی دینے اور لعن طعن کو پسند نہیں کرتا، ہاں تم یہ کہو کہ اے اللہ! ہم دونوں فریق کو خوں ریزی سے بچالے اور ہمارے درمیان اصلاح کی شکل قائم فرمادے اور ان کے بھٹک جانے سے ہدایت فرما۔ (اخبار الطوال دینوری شیعی ص ۱۶۵) اسی طرح نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک خط موجود ہے جس میں آپؓ نے واقعہ صفین کی اصل وجہ بتاتے ہوئے کہا تھا کہ ہم لوگ دینی معاملہ میں بالکل متفق اور متحد ہیں۔ اور یہ خط آپؓ نے اپنے ملک کے والیوں کو بھیج دیا تھا تاکہ لوگ بدگمان نہ ہوں۔ آپؓ نے لکھا کہ: ہمارے اور اہلِ شام کے درمیان مقابلہ ہوگیا جبکہ ظاہر بات یہ ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارے نبی ایک ہیں، اسلام میں ہماری دینی دعوت ایک ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے نبی کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں، ہمارا اور ان کا دینی معاملہ ایک جیسا ہے ہاں خونِ عثمانؓ کے بارے میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہوگیا ہے جبکہ ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔ (نہج البلاغہ، ج:۲ص۱۱۴)

ان واضح اعلانات کے بعد حضرت معاویہؓ کے بدخواہ اور برائی کرنے والے اپنے رویہ پر غور کرلیں، حضرت معاویہؓ کی دشمنی میں وہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے فرمان کے باغی تو نہیں بنے جارہے ہیں۔

یہاں اسی سلسلہ کی چند گذارشات پیش کی جارہی ہیں۔ اس مضمون کے ابتدائی

حصہ میں حضرت معاویہؓ کا خاندانی پس منظر، رسول اللہ ﷺ سے قربت وقرابت کا ذکر ہے، عدم فضیلت کے شبہ کا (جسکو مخالفین معاویہؓ بڑے شد ومد کیساتھ اُٹھاتے ہیں) جواب دیا گیا ہے پھر ان کی صحابیت، جماعت صحابہؓ اور تابعین واکابر امت کی ان کی سلسلہ میں رائے پیش کی گئی ہے اس کے بعد مقام صحابہؓ کو بیان کیا گیا ہے اور حضرت معاویہ بھی صحابہ میں شامل ہیں۔ اور بقول حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ''حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ایک ممتاز فرد ہیں، ان کے مناقب میں حدیثیں وارد ہوئی ہیں جو لوگ ان پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور ان کے سلسلہ میں بے باکی وزبان درازی سے کام لیتے ہیں ان کو اس امر کا پاس ولحاظ ہونا چاہئے کہ وہ ایک ایسے صحابی ہیں جن کو قرابت کا شرف بھی حاصل ہے۔'' (المرتضیٰ اردو ص ۲۷۳) پھر حضرت معاویہؓ کی شخصیت کے بعض ضروری گوشے اجاگر کئے گئے ہیں کیونکہ حضرت معاویہؓ کی پوری سوانح حیات اس کتاب کا موضوع نہیں ہے۔ آپؓ کی فضیلت کو بھی مختلف طریقوں سے واضح کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ فضائل معاویہؓ میں وارد بعض احادیث پر کلام کیا گیا ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ محدثین کا اتفاق ہے کہ ضعیف غیر موضوع روایت فضائل میں قابلِ استدلال ہے نیز اگر کسی روایت میں ضعف ہو مگر اسکے شواہد اور مؤیدات پائے جاتے ہوں تو ضعف ختم ہوجاتا ہے اور وہ روایت قابل استدلال بن جاتی ہے فقہاء کے نزدیک تو ضعیف روایت احکام میں بھی بعض حالات میں قبول کرلی جاتی ہے تو فضائل میں بدرجۂ اولیٰ قابل قبول ہوگی۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے علامہ عبدالحئی فرنگی محلی کی مشہور کتاب ''الاجوبۃ الفاضلۃ'') اور آخر کتاب میں حضرت معاویہؓ کی ذات پر وارد کئے جانے والے کچھ اعتراض وشبہات کا جواب دیا گیا ہے۔

یہاں نہ کسی تعریف وستائش کی تمنا ہے نہ ہی کسی خردہ گیری کی پرواہ۔صرف اپنے واجب کی انجام دہی اور قولِ خداوندی الآانهم هم السفهاء اور قول رسول فقولوا لعنة الله علىٰ شركم کی پیروی مقصود ہے۔اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور امت کے لئے مفید بنائے۔آمین

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر عزیز گرامی جناب مولانا عبدالسمیع قاسمی استاد دارالمبلغین اور گرامی قدر جناب مولانا مفتی محمد ہارون صاحب قاسمی مفتی دارالمبلغین کی پُرخلوص مساعی کا اعتراف نہ کیا جائے جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب اور حوالوں کی مراجعت کے سلسلہ میں بھرپور تعاون کیا۔اللہ پاک ان دونوں عزیزوں کو اپنی شانِ عالی کے مطابق اجر عطا فرمائے اور یہ کتاب ہر طرح نافع ہو۔

عبدالعلیم فاروقی
مہتمم دارالمبلغین
وصدر مجلس تحفظِ ناموسِ صحابہؓ۔لکھنؤ

۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۴۲
مطابق ۲۸/ جنوری ۲۰۲۱ء

## مقدمہ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

ترتیب کتاب کے وقت ارادہ تھا کہ مقامِ صحابہؓ کے موضوع پر ایک مفصل مقدمہ تحریر کروں گا لیکن دورانِ ترتیب ہی دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے ایک قابل قدر تحریر سامنے آئی جس میں حضرات صحابہؓ کے مقام و مرتبہ کو انتہائی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے جو انتہائی اہم ہے، اس لئے بطور مقدمہ اس کو کتاب میں شامل کیا جارہا ہے، انشاء اللہ اہلِ علم اور عوام کے لئے بہت زیادہ فائدہ مند ہوگی۔
(مؤلف)

(۱) محدثین کے نزدیک صحابی کی صحیح ومقبول اور معتمد تعریف یہ ہے: من لقی النبی ﷺ مؤمنا ومات علی الاسلام ۔ یعنی: جس نے حضور ﷺ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور اسلام کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' میں اس تعریف کے بارے میں لکھا ہے: أصح ما وقفت علیہ (یہ صحیح ترین تعریف ہے) اور ''فتح الباری'' میں اس کو جمہور محدثین کا قول قرار دیا ہے، صاحب مواہب لدنیہ اور اس کے شارح علامہ زرقانیؒ نے بھی اسی تعریف کو راجح اور جمہور محدثین اور اصولیین کا مذہب بتایا ہے اھ۔ شیخ عوامہ نے ''تدریب الراوی'' کے حاشیہ میں علامہ عراقی کی

''شرح الالفیہ'' کے حوالہ سے اسی تعریف کو راجح قرار دیا ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی ''ہدایۃ الشیعہ'' میں صحابی کی یہی تعریف بیان کی ہے۔ اس تعریف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صحابی ہونے کے لئے صحبت کی کوئی مدت معین نہیں ہے، جس نے بحالتِ اسلام ایک نظر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور ایمان کی حالت ہی میں اس کا انتقال ہوا اس کو صحابی کہا جائے گا۔ حافظ ابو القاسم ہبۃ اللہ طبری نے ''شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ'' میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا واضح قول ذکر کیا ہے کہ صحبت کے لئے کوئی مدت متعین نہیں ہے، جس نے بھی حضور ﷺ کی صحبت اختیار کی ہو خواہ ایک سال یا ایک ماہ یا ایک دن یا ایک ساعت یا آپ کو ایک نظر دیکھ لیا ہو تو اس کو صحابی کہا جائے گا۔ مذکورہ تعریف کے علاوہ صحابی کی دوسری تعریفات محدثین کے نزدیک مرجوح ہیں۔

(۲) اگرچہ صحابہ کرامؓ کے درمیان باہم درجات فضائل میں بہت کچھ تفاوت ہے، لیکن اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایک عقیدہ سب کے بارے میں بلا استثناء اور بلا اختلاف اجماعی ہے، وہ یہ ہے کہ ''الصحابۃ کلھم عدول'' یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل وثقہ ہیں۔ اس سے جس کسی نے بھی اختلاف کیا ہے وہ ہمیشہ سے مسترد ہوا ہے، صدیوں سے یہ عقیدہ بالتواتر مسلم ہے اور جزو ایمان ہے، جس کے بارے میں از سرِ نو تحقیق کی ضرورت ہے نہ گنجائش ہے، امام خطیب بغدادیؒ نے ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' میں مستقل باب قائم کیا ہے: باب ماجاء تعدیل اللہ ورسولہ للصحابۃ، وانہ لایحتاج للسوال عنہ، اس کے تحت کئی قرآنی آیات اور احادیث رسول سے عدالتِ صحابہ کو ثابت کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' میں خطیب بغدادیؒ کی مذکورہ بحث ذکر کی ہے، ''صحیح ابن حبان'' میں بھی

عدالتِ صحابہ کا مستقل عنوان ہے: ذکر الخبر الدال علی ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کلهم ثقات عدول ۔ ''مقدمہ صحیح ابن حبان'' میں مشہور حدیث الالیبلغ الشاهد منکم الغائب سے تمام صحابہ کرامؓ کی عدالت کو ثابت کیا ہے اور شیخ عوامہ نے ''خطوات منہجیہ فی اثبات عدالۃ الصحابۃ'' ص: ۴۱ میں حدیث کے مذکورہ جملہ کو متواتر ثابت کیا ہے، علامہ شاطبیؒ نے بھی ''الموافقات'' میں آیت قرآنی: وکذٰلک جعلناکم أمة وسطا کے تحت عدالتِ صحابہ کو تفصیل سے ثابت کیا ہے، محدثین اور فقہاء کی عبارات اس سلسلے میں صریح اور قاطع ہیں۔ ''الفقہ الاکبر'' میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہم ہر صحابی کا تذکرہ خیر ہی کے ساتھ کرتے ہیں۔اھ۔امام طحاویؒ نے ''العقیدۃ الطحاویۃ'' میں جو اصول دین کی نہایت مستند کتاب ہے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کی تفصیل ذکر کی ہے، فرماتے ہیں: ہم تمام صحابہ رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں، کسی کی محبت میں کمی نہیں کرتے ہیں، نہ کسی سے اظہارِ برأت کرتے ہیں، ہاں جو اُن سے بغض رکھتا ہے یا خیر کے علاوہ کے ساتھ ان کا ذکر کرتا ہے، تو ہم اس سے بغض رکھتے ہیں، ہم صحابہ کا تذکرہ خیر ہی کے ساتھ کرتے ہیں، ان کی محبت دین وایمان اور احسان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی کی علامت ہے اھ۔ علامہ ابن الہمامؒ نے ''مسایرۃ'' میں لکھا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاکی بیان کی جائے اس طرح کہ ان سب کو عادل مانا جائے اور ان پر کسی قسم کا طعن کرنے سے پرہیز کیا جائے اور ان کی مدح وثنا کی جائے اھ۔ علامہ محب اللہ نے ''مسلم الثبوت'' میں عدالتِ صحابہ کو اہل السنۃ کا مسلک قرار دیا ہے، ابن امیر حاج نے ''التقریر والتحبیر'' میں علامہ تاج الدین سبکیؒ کے حوالہ سے اس سلسلہ میں نہایت نفیس بحث ذکر کی ہے، فرماتے

ہیں کہ اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کی عدالت کا بلاتردد یقین کرتے ہیں، صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع کرنے والا شخص گمراہی اور کھلے ہوئے خسارے میں ہے اھ۔ آل تیمیہ کی ''المسودۃ فی اصول الفقہ'' میں ہے کہ اسلاف امت اور جمہور خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرامؓ عادل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعدیل فرمائی ہے اھ۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ: اہل سنت کے اصول عقائد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہ کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں اھ۔ حافظ ابن الصلاح نے مقدمے میں اور قاضی ابوالولید باجی نے ''احکام الفصول'' میں لکھا ہے کہ صحابہ میں سے کسی کی عدالت کے بارے میں سوال بھی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے، قرآن و سنت کی نصوص قطعیہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اھ۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں ایک خاص فصل اسی مقصد کے لئے قائم کی ہے اور اس کے تحت لکھا ہے کہ تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ سارے صحابہ عادل ہیں، اس عقیدے کی مخالفت سوائے چند مبتدعین کے کوئی دوسرا نہیں کرتا، مزید لکھتے ہیں کہ صحابہ کی تعظیم اگرچہ ان کی ملاقات حضور ﷺ سے تھوڑی دیر ہی رہی ہو خلفائے راشدین کے نزدیک ایک مقرر اور مانی ہوئی بات تھی اھ، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل ہیں جو اختلافات کے فتنے میں مبتلا ہوئے وہ بھی اور دوسرے بھی اھ۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ عدالت کا تمام صحابہ کرامؓ میں عام ہونا ہی جمہور کا قول ہے اور یہی معتبر ہے اھ۔ علامہ عراقیؒ نے ''شرح الفیہ'' میں اسی کو ترجیح دی ہے کہ بلااستثنا تمام صحابہ کرامؓ کا عادل ہونا ہی جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔ امام غزالیؒ نے ''المستصفیٰ'' میں اور امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں جمہور اہل حق امت کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ ''...

مذہب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل ہیں، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دَور میں پیش آنے والے اختلافات سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اھ۔

(۳) حضرت علیؓ سے قتال کرنے والے صحابہ کرامؓ کو (نعوذ باللہ) فاسق قرار دینا معتزلہ کی رائے ہے، علامہ ابن کثیرؒ نے "الباعث الحثیث" میں اور علامہ ابن الاثیر جزریؒ نے "جامع الاصول" میں معتزلہ کے قول کو دلائل کے ساتھ باطل اور مردود قرار دیا ہے۔

(۴) تمام صحابہ کرامؓ سے محبت رکھنا، ان کا ادب واحترام کرنا، ان کی تعظیم وتکریم اوران کی اقتدا واجب وضروری ہے، کسی بھی صحابی کو برا کہنا اوران پر طعن وتشنیع کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں: صحابہ کو برا بھلا کہنا حرام ہے، یہ سخت ترین محرمات میں سے ہے، خواہ صحابہ میں سے کوئی فتنہ کی حالت سے دوچار ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، سب کا حکم ایک ہی ہے، اس لئے کہ ان اختلافات میں سب کا مبنیٰ اجتہاد اور تاویل تھا، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ کسی بھی صحابی کو برا کہنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کی تعزیر کی جائے گی اھ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ہم لوگ صحابہ کا صرف ذکر خیر ہی کریں گے، وہ ہمارے دینی امام اور مقتدا ہیں، ان کو برا کہنا حرام ہے اوران کی تعظیم ہم پر واجب ہے اھ۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: یقیناً صحابہ کرامؓ کی جماعت بھی انبیاء علیہم السلام کے حکم میں ہوگی، پس جس طرح کسی نبی پر تنقید نہیں کی جاسکتی اوران کی بات واجب التسلیم ہوتی ہے بوجہ دلائل قطعیہ یقینیہ کے، اسی طرح صحابہ کرامؓ پر بھی تنقید کرنے کی نیت کرنا بددینی اور کھلی ہوئی گمراہی ہے اھ۔ خطیب بغدادیؒ نے "الکفایہ" میں بسند نقل کیا ہے کہ امام ابوزرعہ رازیؒ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ

کسی صحابی کی تنقید کرتا ہے تو جان لو کہ وہ بد دین ہے اھ۔ ابن عساکرؒ نے حضرت امام احمدؒ سے بسند نقل کیا ہے، جس کو علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے رسالہ "حکم سب الصحابہ" میں ذکر کیا ہے کہ جب کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی پر تنقید کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا دین مشکوک ہے۔ حضرت امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ کوئی شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرتا ہے، کیا اس کو رافضی کہا جائے گا؟ فرمایا: ان صحابہؓ کی تنقیص کی جرأت وہی کر سکتا ہے جو بد باطن ہو، کوئی بھی شخص کسی بھی صحابی رسول سے اگر بغض رکھتا ہے تو یہ اس کے بد باطن ہونے کی علامت ہے اھ۔ ابن عساکرؒ نے بسند نقل کیا ہے اور حافظ مزیؒ نے بھی "تہذیب الکمال" میں حضرت امام نسائیؒ کے ترجمے کے تحت لکھا ہے کہ حضرت امام نسائیؒ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ اسلام کی مثال اس گھر کی سی ہے جس کا ایک دروازہ ہو، پس اسلام کا دروازہ صحابہ کرامؓ ہیں، جو شخص صحابہ کو تکلیف پہنچائے، گویا وہ اسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے، جیسے کوئی شخص دروازہ کھٹ کھٹا رہا ہے تو گویا وہ گھر کے اندر داخل ہونا چاہتا ہے لہٰذا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے تو اس کا اصل نشانہ صحابہ کرامؓ ہی ہیں اھ۔ حضرت امام وکیعؒ سے منقول ہے کہ جس طرح دروازے کا کنڈا ہلانے سے پورے دروازے میں حرکت ہوتی ہے، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مثال ہے، جو ان کو نشانہ بنائے گا ہم ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کے بارے میں بھی اس کو متہم سمجھیں گے اھ۔ علامہ مرتضیٰ زبیدیؒ شرح احیاء میں لکھتے ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ کا عدالت کے ذریعہ تزکیہ کرنا اور ان پر کسی طرح کا بھی طعن کرنے سے بچنا واجب ہے اور دیندار کے لئے زیبا ہے کہ صحابہ جس حال پر عہد نبوی میں تھے، اسی حال پر آخر تک ان کو باقی رہنے والا اعتقاد کرے، پس اگر کوئی

لغزش نقل کی جائے تو عاقل کو چاہئے کہ اس نقل پر غور کرے، اگر وہ کمزور ہو تو رد کرے اور اگر ایسا نہ ہو اور روایت احاد میں سے ہو تو بھی امر متواتر میں اور جس چیز کی شاہد نصوص ہوں وہ نقل کوئی قدح پیدا نہیں کر سکتی اھ۔

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندیؒ ایک سوال: کہ ایک شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں الفاظ: دغاباز، خائن، جھوٹا، خاطی، آلِ رسول کا دشمن، نبیوں سے لڑنے والا کہتا ہے، ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ کے جواب میں لکھتے ہیں: ایسا شخص گنہگار، فاسق اور مبتدع ہے اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے اس کو فوراً توبہ کرنی چاہئے، کسی صحابی کی شان میں ایسی گستاخی کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں، بہت سے بہت یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی جس سے ان کی شانِ صحابیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اھ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۵۳/۱۸، سوال نمبر: ۶۴۵ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم دیوبند) نیز ایک دوسرے سوال: کہ جس کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت و عزت کا لحاظ نہ کیا گیا ہو، بلکہ ایک قسم کی توہین ٹپکتی ہو اس کتاب کا پڑھنا اور جس کا عقیدہ اس کے موافق ہو اس کو امام بنانا کیسا ہے؟ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی، کاتب وحی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی جیسا کہ کتب احادیث سے ظاہر ہے ان کی شان میں ایسے الفاظ لکھنا نہایت سوء ادبی اور لکھنے والے کے فساد عقیدہ کی دلیل ہے، پس ایسی کتاب کا دیکھنا اور اس پر عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے اور جس کا عقیدہ ایسا ہو وہ لائق امام بنانے کے نہیں ہے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور اس کو معزول کر دیں اھ۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۵۲/۱۸، سوال نمبر: ۶۴۳، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم دیوبند، نیز دیکھئے: کفایۃ المفتی: ۳۳۳/۱، جواب نمبر ۳۲۲، مطبوعہ زکریا دیوبند) فقیہ الامت

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ جن مقدس ہستیوں کو رسول اکرم ﷺ نے امین قرار دیا آج ان کے متعلق یہ بحث کرنا کہ ان سے گناہ صادر ہوئے تھے اور انہوں نے فلاں فلاں گناہ کئے ہیں درحقیقت ان کی امانت وذمہ داری کو مجروح کر کے ان سے بے اعتمادی پیدا کرنا ہے جس کی زد حضرت رسول مقبول ﷺ پر جاکر پڑتی ہے کہ معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نااہلوں پر اعتماد فرمایا اور اتنی بڑی امانت کی ذمہ داری ان کے سر ڈالی جس کے وہ اہل نہیں تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارا دین مخدوش و ناقابل اعتماد ہو جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸۸/۲، مطبوعہ دار المعارف، دیوبند) نیز فرماتے ہیں کہ صحابہ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی نہ کی جائے کہ ایمان کے لئے خطرناک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹۴/۲، مطبوعہ دار المعارف، دیوبند)

(۵) مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ ان کے درمیان جو کچھ واقعات پیش آئے، وہ اجتہاد پر مبنی تھے، اس کی بنیاد پر کسی کی تفسیق وتنقیص کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، ان کے بارے میں سکوت اختیار کرنا چاہئے اور ان کی شان میں کوئی ایسی بات ہرگز نہیں کہنی چاہئے جس سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو، حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں: اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے، ان کی وجہ سے کسی پر طعن کرنا ممنوع ہے اگرچہ یہ جان لیا جائے کہ ان میں سے حق پر کون تھا، اس لئے کہ صحابہ کرام نے وہ جنگیں اجتہاد کی بنیاد پر کیں اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو معاف کیا ہے جس سے اجتہاد میں خطا ہو جائے، بلکہ یہ ثابت ہے کہ اس کو ایک اجر ملے گا اور درست اجتہاد کرنے والا دوہرے اجر کا مستحق ہوگا اھ۔ اسی طرح کی بات علامہ عینیؒ نے بھی لکھی ہے، علامہ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں: حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو جنگیں ہوئیں وہ اجتہاد پر مبنی تھیں اھ۔ امام غزالیؒ نے

بھی ''احیاء علوم الدین'' میں اسی طرح کی بات لکھی ہے، علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کے درمیان جو اختلافات ہوئے ان کے بارے میں اہل سنت سکوت اختیار کرتے ہیں، امام قرطبیؒ نے اس سلسلے میں اہل سنت کے مسلک کی بہترین ترجمانی کی ہے، وہ لکھتے ہیں: یہ جائز نہیں کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے، اس لئے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی، یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کف لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں؛ کیونکہ صحابیت بڑی حرمت وعظمت کی چیز ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انھیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے اھ۔ ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں جو باتیں باطل اور جھوٹی ہیں، ان کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا اور جو باتیں صحیح وثابت ہیں ان کے بارے میں اچھی تاویل کی جائے گی اھ۔

(۶) پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کی معرفت، ان کے درجات اور ان میں پیش آنے والے باہمی اختلافات کا فیصلہ کوئی عام تاریخی مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ معرفت صحابہ تو علم حدیث کا ایک اہم جزء ہے جیسا کہ ''مقدمہ اصابہ'' میں حافظ ابن حجرؒ نے اور ''مقدمہ استیعاب'' میں حافظ بن عبدالبرؒ نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور صحابہ کرامؓ کے باہمی تفاضل ودرجات اور ان کے درمیان پیش آنے والے اختلافات کے فیصلہ کو علمائے امت نے عقیدہ کا مسئلہ قرار دیا ہے اور تمام کتب عقائد اسلامیہ میں اس کو ایک مستقل باب کی حیثیت سے لکھا ہے، ایسا مسئلہ جو عقائد اسلامیہ سے متعلق ہو اور اسی مسئلہ کی بنیاد پر بہت سے اسلامی فرقوں کی تقسیم ہوئی ہو، اس کے فیصلے کے لئے

بھی ظاہر ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص اور اجماع امت جیسی شرعی حجت درکار ہیں، اس کے متعلق اگر کسی روایت سے استدلال کرنا ہے تو اس کو محدثانہ اصول تنقید پر پرکھنا واجب ہے، اس کو تاریخی روایتوں میں ڈھونڈنا اور ان پر اعتماد کرنا اصولی اور بنیادی غلطی ہے، وہ تاریخیں کتنے ہی بڑے ثقہ اور معتمد علمائے حدیث ہی کی لکھی ہوئی کیوں نہ ہوں، ان کی فنی حیثیت ہی تاریخی ہے جس میں صحیح وسقیم روایات جمع کر دینے کا عام دستور ہے۔ (ماخوذ از مقام صحابہ ص ۳۵، ۳۶، مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مطبوعہ مسعود پبلشنگ، دیوبند)

سلف وخلف اور متقدمین ومتاخرین، اصولیین، محدثین، فقہاء اور اکابر کی مذکورہ واضح تصریحات سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت وثقاہت اور ان کا جرح وتنقید سے بالاتر ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ نصوص اپنی دلالت میں صریح ومحکم ہیں، یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک مسلمہ عقیدہ جس پر جمہور امت کا اجماع ہے اور ان کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے ان کو اجتہادی قرار دیتے ہوئے سکوت اختیار کرنا اور کسی بھی صحابی کی شان میں منفی تبصرہ کرنے سے احتراز کرنا بھی اہل سنت کا مذہب ہے۔

(ماخوذ از فتاویٰ دار العلوم دیوبند)

# حضرت معاویہؓ
# کا خاندانی پس منظر

الحمدلله رب العالمین والصلوة والسلام علیٰ سید الانبیاء
والمرسلین وعلیٰ اله واصحابه واهل بیته اجمعین. امابعدا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نسبی تعلق عبد مناف سے ہے۔ یہ خاندان عرب میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی پشت میں عبد مناف ہیں۔ اس کی ایک شاخ:

بنی ہاشم اور دوسری بنو امیہ ہیں۔

بنی ہاشم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ قبیلہ تمام عرب میں شرف و فضیلت کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ مقام کا حامل تھا۔ اس دور میں بیت اللہ کی زیارت اور حج کے لئے آنے والے تمام لوگوں کی سہولیات کی فراہمی اور پانی پلانے کی خدمت ہاشم کو حاصل تھی۔ اسلئے یہ بڑی قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

بنی ہاشم کے بعد یہ قدر و عظمت عرب میں اگر کسی کو حاصل تھی تو وہ عبد مناف کی دوسری شاخ بنو امیہ کی تھی۔ دورِ جاہلیت میں قبائل قریش کے اندر بنو امیہ ذوالعمامہ (صاحب دستار) کہے جاتے تھے۔ کیونکہ اس دور کے جو امتیازات تھے مثلاً شجاعت و بہادری، جنگی مہارت، حرب و ضرب میں کمال وغیرہ۔ ان میں یہ قبیلہ فوقیت رکھتا تھا۔ چنانچہ مؤرخین میں

ابوجعفر بغدادی نے لکھا ہے کہ سعید بن عاص بن امیہ (جس کی کنیت ابواحیحہ تھی) اس کو ذوالعمامہ کہا جاتا تھا وہ مخصوص رنگ کا عمامہ پہنتا تھا اس رنگ کی دستار اور عمامہ اس خصوصیت کی وجہ سے احتراماً کوئی دوسرا نہیں پہنتا تھا۔ [1]

## نام ونسب

معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔ [2]

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے دادا اور حضرت معاویہؓ کے چوتھے دادا عبدمناف ایک ہی ہیں۔

حضرت معاویہؓ کی کنیت ابوعبدالرحمن اور لقب ''خال المومنین'' ہے (یعنی مسلمانوں کے ماموں)۔ کیونکہ آپؓ کی سوتیلی بہن حضرت ام حبیبہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین ہیں۔

آپؓ کے والد گرامی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، اسلام سے قبل اگرچہ اسلام کی مخالفت میں نمایاں رہے اس لئے کہ وہ قریش کے سردار تھے اور جنگ بدر کے بعد وہ قوم کے سب سے بڑے مانے جاتے تھے اور امیر الحرب (جنگی سردار) بن گئے تھے لیکن حالات نے جب کروٹ لی اور سعادت کا دروازہ کھلا تو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آکر مشرف باسلام ہوئے۔ اب وہ پہلے والے ابوسفیان نہیں تھے بلکہ سچے پکے مسلمان تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وکان ابوہ من سادات قریش وتفرد بالسؤدد بعد یوم بدر ثم لما اسلم حسن بعد ذلک اسلامہ وکان لہ مواقف شریفۃ وآثار محمودۃ فی یوم الیرموک وماقبلہ ومابعدہ۔ [3]

[1] کتاب المحبر ص ۱۶۰، تحت اشراف قریش، ۱۱ اسد الغابہ ج: ۳، ص ۳۱۰

[2] جمہرۃ الانساب، ابن حزم ص ۱۱۱ [3] البدایہ ج: ۸، ص ۱۱۷

## ایک معاندانہ اعتراض کا ازالہ

بعض گندے اذہان اور بے باک زبانیں جو یقیناً مقامِ صحابیت سے ناآشنا، اسلام سے ناواقف اور بغضِ صحابہ میں مبتلا ہیں وہ حضرت معاویہؓ کے والد گرامی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں اور اعتراض کی بنیاد اسلام سے قبل دورِ جاہلیت کے واقعات اور اسلام کے خلاف ان کے کئے کاموں کو بناتے اور اپنے طور پر اس گستاخی کو کارِ خیر سمجھتے ہیں۔ اس سے ایمان برباد ہوتا ہے اور عاقبت خراب ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ حقیقت ایک ایمان والے کی نظروں سے اوجھل نہیں رہنی چاہئے کہ "اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا" (سورہ فرقان) یعنی جو شخص اپنے کفر کو اسلام سے بدل دے اور اپنے فسق کو طاعت سے، تو آئندہ نیکیاں بھی اس کے لئے لکھی جائیں گی۔ یہ اور اس جیسی دیگر آیتوں پر غور کرنے سے صاف نظر آجاتا ہے کہ مغفرت صرف انہی لوگوں کی نہیں ہوگی جو گناہوں سے بچتے ہیں بلکہ امت کے بڑے بڑے عاصی و خاطی بھی بخشے جائیں گے، بشرطیکہ اپنے معاصی کی تلافی و تدارک میں لگے رہیں گے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اللہ ان کے نفس میں بجائے ملکۂ معصیت کے ملکۂ اطاعت رکھ دے گا (بیضاوی)۔ نیز "الاسلام یھدم ما کان قبلہ" یہ مسلمہ اصول ہے کہ اسلام پہلے کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر یہ سچائی بھی سامنے رہے کہ اگر حضرت ابوسفیانؓ اسلام کے مخالف تھے تو نامعلوم کتنے لوگ ہیں جو ابتداء میں اسلام کے دشمن تھے، پھر وہ سب آہستہ آہستہ اسلام کے دامن میں آگئے اور پرانی دشمنی عداوت بھی ختم ہوگئی اور پھر انھوں نے اسلام کی محبت اور حمایتِ رسولؐ و اعلاء کلمۃ اللہ

کی خاطر اپنی جانیں لگا دیں اور عمر کا بقیہ حصہ دفاعِ اسلام میں گذارا۔ اس طرح ان کے اسلام اور دینی خدمات نے پہلے کے تمام گناہوں کی تلافی کر دی۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ اس دشمنی اور اسلام کی مخالفت میں حضرت ابوسفیانؓ بن حرب جو اموی تھے، اکیلے نہیں تھے، خود بنی ہاشم کے کتنے لوگ مخالفتِ اسلام میں پیش پیش رہے لیکن اسلام لانے کے بعد ان کی ساری خطائیں مٹ گئیں اور اب اس کو کوئی سبب لعنت و ملامت بنا کر اپنی عاقبت برباد نہیں کرتا۔ آخر اکیلے ابوسفیانؓ ہی کیوں اس منظر میں سامنے رکھے جاتے ہیں۔ ع

کچھ تو ہے، جس کی پردہ داری ہے

اس سلسلہ میں صرف ایک مثال ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت ابوسفیانؓ بن حرب کے ہم نام ایک ہاشمی صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہیں۔ یہ اسلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف اور اسلام کے پکے دشمن تھے، شاعر تھے اور اپنی شاعری کے ذریعہ رسول خدا ﷺ اور اسلام کی ہجو و مذمت کرتے رہتے تھے، شاعرِ رسولؐ حضرت حسان بن ثابتؓ ان کا جواب دیتے تھے۔ انھوں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر خدمتِ نبوی میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو ان کو حاضری کی اجازت نہیں ملی۔ پھر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے سفارش کی تب حاضری نصیب ہوئی، اسلام لائے اور اسکے بعد انھوں نے اسلام کیلئے بہترین خدمات انجام دیں۔ [۱]

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہاشمی ابوسفیان جن کو دربارِ رسولؐ میں بغیر سفارش کے حاضری نہیں ملی تھی، ان پر کوئی اعتراض اور لعن وطعن نہیں اور ابوسفیان بن حرب اموی

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج: ۷، ص ۱۰۳

جن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اپنی عنایتوں کی انتہا کردی اور اعزاز وافتخار کے لئے ان کو گلے لگایا اور "حب کہ فی الجاهلیة حب کہ فی الاسلام" کا تمغہ دیتے ہوئے فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے۔ ان پر طعن وتشنیع کے تیراب تک چلائے جا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قبائلی عصبیت اور خاندانی تعصب کو مٹا کر سب کو اسلامی اخوت کے بندھن میں باندھ دیا تھا۔ ایسے حرماں نصیبوں کو جاہلی تعصب تو یاد ہے مگر اسلامی تعلیم "انما المومنون اخوة" اور المسلم اخو المسلم لایظلمه ولا یخذله[1] یاد نہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد بیش بہا خدمات انجام دیں۔ انھوں نے جنگ حنین وطائف میں شرکت کی، جنگ یرموک میں بھی پوری دلیری کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ میں اسلامی لشکر کا حوصلہ بڑھاتے رہے، ان کی ایک آنکھ غزوۂ طائف میں شہید ہوگئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں آنکھ ٹھیک ہو جائے گی اور اگر چاہو تو بدلے میں جنت لے لو۔ ابوسفیانؓ نے لٹکتی ہوئی آنکھ کاٹ کر پھینک دی ور جنت کو اختیار کیا۔ (الاصابہ ص ۱۷۸،۱۷۷،ج۲) دوسری آنکھ جنگ یرموک میں شہید ہوئی (تاریخ الخلفاء) آنحضرت ﷺ نے غزوۂ حنین کے مال غنیمت میں سے ان کو ۴۰ اوقیہ چاندی اور سو اونٹ عطا فرمائے تھے، آپ نے ان کو نجران کا حاکم بھی بنایا تھا اور آپ کے وصال کے وقت ابوسفیانؓ نجران میں ہی تھے۔

## مادری نسب

حضرت امیر معاویہؓ کی ماں ہند بنت عتبہ بن ربیعہ ہیں۔ ان کا نسبی سلسلہ بھی حضورؐ کے نسبی سلسلہ عبد مناف پر مل جاتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر اپنے شوہر ابوسفیانؓ سے

[1] مسلم شریف ج:۴۔ حدیث نمبر:۲۵۶۴

ایک دن بعد فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ شروع میں ان کو بھی اسلام سے سخت ترین عناد اور نفرت تھی لیکن حضور علیہ السلام نے ان کا اسلام بھی منظور فرمالیا اور اسلام پر وہ سختی سے قائم اور ثابت قدم رہیں۔ علامہ ابن حجر مکیؒ نے تطہیر الجنان میں لکھا ہے:

ولما اسلمت کانت علیٰ غایة من التثبت و الیقظة فانها اثر البیعة [۱]

یعنی ہند بنت عتبہ جب مسلمان ہوگئیں تو اسلام پر وہ نہایت پختہ اور پورے یقین واستقلال کے ساتھ قائم رہیں اور یہ دراصل نبی کریم علیہ السلام سے بیعت کا نتیجہ تھا۔

ان کے اسلام کے سلسلہ میں ایک دل چسپ واقعہ تاریخ ابن عساکر میں موجود ہے جس سے ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا اظہار ہوتا ہے اور اسی سے ان پر ہدایت کا راستہ کھلتا ہے۔

''حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ہند سے سنا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتی تھیں کہ میں نے آپ علیہ السلام کے چچا اور دیگر صحابہؓ کے ساتھ جنگ احد میں مثلہ کا معاملہ کیا تھا۔ قریش کے ساتھ جب میں وہاں سے لوٹ کر آئی تو میں نے تین رات مسلسل ایک خواب دیکھا، (پہلی رات) میں نے دیکھا کہ میں ایک اندھیرے میں کھڑی ہوں جہاں مجھے زمین اور پہاڑ کچھ نہیں دکھائی دیتے ہیں، پھر ایک روشنی نمودار ہوئی اور اندھیرا چھٹ گیا تو اچانک دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ (علیہ السلام) مجھے پکار رہے ہیں۔ پھر دوسری رات میں نے دیکھا کہ ایک راستہ پر کھڑی ہوں اور میری داہنی جانب ہبل (بت) مجھے اپنی طرف بلاتا ہے اور بائیں جانب یساف (بت) ہے وہ اپنی طرف بلا رہا ہے۔ اچانک رسول اللہ (علیہ السلام) میرے سامنے آئے اور فرماتے ہیں ادھر آجاؤ۔ پھر تیسری رات یہ ہوا کہ میں دیکھتی ہوں کہ دوزخ کے کنارہ کھڑی ہوں اور کچھ لوگ مجھے اس میں ڈالنا چاہتے ہیں اور ہبل (بت)

[۱] تطہیر الجنان فصل اول

مجھ سے کہتا ہے اس میں داخل ہو جاؤ۔ ناگہاں میں نے دیکھا کہ میرے پیچھے رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں اور پیچھے سے میرے کپڑوں کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اس طرح میں دوزخ سے دور ہوگئی۔

(وہ کہتی ہیں کہ) ان خوابوں کو دیکھ کر میں گھبرا گئی اور میں نے سوچا کہ میرے لئے (ہدایت کا) راستہ کھول دیا گیا ہے۔ اس کے بعد میں گھر میں موجود بت کے پاس گئی اور اس کو توڑنے لگی اور کہتی جاتی تھی کہ تیری وجہ سے میں ایک مدت تک دھوکہ میں تھی۔ پھر کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ (ﷺ) کے پاس آئی اور اسلام کے لئے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ [۱]

حضرت معاویہؓ کی ماں حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اسلامی خواتین میں بڑی دیندار، اعلیٰ کردار اور بلند پایہ مقام رکھنے والی خاتون ہیں۔ دین پر مضبوطی سے قائم رہنا، اسلام کی حمایت و خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہنا ان کی اسلامی زندگی کا نمایاں کردار ہے۔ ان کی منقبت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ان بیعت کرنے والی خواتین میں شامل ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ:

فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ (سورۃ الممتحنۃ)

یعنی آپ ان خواتین سے بیعت لیجئے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں مغفرت طلب کیجئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہند بنت عتبہ دیگر صحابیات کے ساتھ نہ صرف شرف بیعت حاصل کرنے والی خاتون ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مغفرت کی دعائیں بھی حاصل کیں۔

[۱] تاریخ ابن عساکر، جلد تراجم النساء، ص ۴۳۸، ۴۳۹۔

## ایک قابلِ لحاظ بات

قرآنی حکم کے مطابق ہند زوجہ ابوسفیانؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مغفرت کی دعا فرمائی ہے مگر روافض اوران کے بعض لواحقین یعنی ان کی بولی بولنے والے اب بھی حضرت ابوسفیانؓ کی طرح ہندؓ پر ردوقدح اور طعن وتشنیع کرتے ہیں اوران کو برے خطابات سے یاد کرتے ہیں کہ یہ جگرخوارِ عمِ رسول ہیں، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ لیکن اہلِ ایمان کو اس بات کالحاظ رکھنا چاہئے کہ یہ جرم ان کا قبل اسلام کا ہے۔ اسلام لانے کے بعدان کی زندگی صلاح وتقویٰ سے مزین ہے اوراسلام نے ماقبل کے سارے گناہ مٹادیئے ہیں۔ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا فرمان ایسے بدنیت لوگوں کے لئے کافی ہونا چاہئے، آپؓ نے فرمایا:

انی اکرہ لکم ان تکونوا سبابین۔ [1]

مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ تم لوگ سب وشتم اورلعن طعن کرنے والے بنو۔

## حضرت معاویہؓ کی پیدائش

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً چونتیس سال چھوٹے تھے۔ علامہ حلبی فرماتے ہیں:

وفی سنة اربع وثلاثین من مولده صلی الله علیه وسلم ولدمعاویة بن ابی سفیان رضی الله عنه ۔ [2]

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے چونتیسویں سال معاویہ بن ابی سفیانؓ کی ولادت ہوئی۔

آپؓ کی پیدائش کے سلسلہ میں دیگراقوال بھی ملتے ہیں جن کوالاصابہ میں ابن حجر

[1] نہج البلاغہ ج:۱ص ۴۲۰ [2] سیرت حلبیہ ج:۳ص ۴۰۵

عسقلانیؒ نے جمع کر دیا ہے۔

ولد قبل البعثة بخمس سنين وقيل بسبع وقيل بثلاث عشرة والاول اشهر۔ [1]

یعنی آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے حضرت معاویہؓ کی ولادت ہوئی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سات سال پہلے اور بعض نے کہا ہے کہ بعثت سے تیرہ سال قبل آپؓ کی ولادت ہوئی۔ لیکن پانچ برس قبل ولادت کا قول زیادہ مشہور ہے۔

## رسول اللہؐ سے خاندانی رشتہ

نسبی رشتہ، آپسی تعلقات، بھائی چارہ اور محبت کا ایک بڑا سبب ہوتا ہے لیکن بغض وعناد سے بھرے ہوئے ذہنوں نے خاندان بنو ہاشم اور بنو امیہ میں خاندانی چپقلش اور دشمنی ثابت کرنے پر بڑا زور لگایا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح بنو امیہ کو بنو ہاشم سے بہت دور کر دیا جائے تا کہ سادہ ذہنوں میں بنو امیہ کی طرف سے میل و بدگمانی پیدا کرنے میں آسانی ہو۔ اس طرح حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اسلام اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح میں شک پیدا کر دیا جائے اور ان پر دھوکہ بازی کا داغ لگایا جا سکے۔ اس لئے ہم یہاں چند شواہد پیش کر رہے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ خاندانِ بنی ہاشم، بنو عبد شمس اور بنو امیہ میں پرانے روابط اور ایک دوسرے سے نکاح وغیرہ کے تعلقات قائم رہے اور ان کے آپس کے معاملات اور رشتے نہایت خوشگوار تھے۔ ہاں یہ بات مسلم ہے کہ ظہور اسلام سے لے کر فتح مکہ تک تقریباً بیس سالہ دور ایسا گذرا ہے کہ جس میں بعض بنو امیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے سخت مخالف رہے، لیکن یہ مخالفت صرف اس نئے دین (دینِ برحق) کی وجہ سے بھی جوان

[1] الاصابہ، ج: ۳، ص ۴۱۲

کے آبائی دین سے متصادم تھا اور اس مخالفت ومخاصمت میں بنوامیہ اکیلے نہیں تھے بلکہ مکہ کے دوسرے قبائل کے ساتھ ساتھ خود بنوہاشم بھی اس میں پیش پیش تھے۔ مگر فتح مکہ کے بعد جب حق واضح ہوگیا تو یہ سارے مخالفین اسلام قبول کر کے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخلص معتقد اور سچے تابعدار بن گئے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اسلامی جہاد میں اپنی بقیہ عمر عزیز گذاردی۔ ایک عارضی خلا بیچ میں پیدا ہوا پھر سابقہ روابط اور باہمی تعلقات بحال ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے تعلقات کی بحالی کی خوشخبری بھی اپنے محبوب پیغمبر کوسنادی تھی۔ ارشاد باری ہے: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (پ ۲۸ سورۃ الممتحنہ) یعنی بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت کرادیں گے اور اللہ تعالیٰ قدرت والا اور غفور رحیم ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنوہاشم کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا خاندانی تعلق تو تھا ہی اس کے ساتھ رشتے ناطے اور شادی بیاہ کا تعلق بھی بڑا گہرا اور مضبوط تھا۔ ان دونوں خاندانوں کے ان رشتوں کا ذکر انساب اور تاریخی کتابوں کے اندر مفصل موجود ہے۔ چند رشتوں کا ذکر یہاں ضرورتاً کیا جاتا ہے تاکہ ان کے آپسی تعلق کا اندازہ ہوسکے۔

## حضور علیہ ﷺ اور اہلبیت سے حضرت معاویہؓ کی قرابت

(۱) حضرت معاویہؓ کا سب سے پہلا رشتہ حضور اکرم ﷺ سے قرابت کا ہے۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت معاویہؓ کی بہن اور ابوسفیانؓ کی بیٹی ہیں ان کا اصلی نام رملہ تھا، حضور علیہ ﷺ کی زوجیت میں ہونے کی وجہ سے آپؓ کو ام المومنین کا لقب ملا، اس لحاظ سے حضرت معاویہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی

ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی لئے آپؓ "خال المومنین" کہلائے۔ یہ رشتہ عظمت وشرف کے اعتبار سے بڑی برکات اور بے شمار نعمتوں کا سبب ہے۔

حضرت معاویہؓ کی والدہ ہندؓ بنت عتبہ ہیں اور حضرت ام حبیبہؓ کی ماں صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ ہیں۔ یہ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی پھوپھی تھیں۔ ان کا پہلا شوہر عبیداللہ بن جحش تھا جو ملک حبشہ میں فوت ہو گیا تھا۔ اس شوہر سے آپؓ کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام حبیبہ تھا۔ اسی بیٹی کے نام سے آپؓ کی کنیت "ام حبیبہ" مشہور ہوئی۔ [۱]

(۲) حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت امیر معاویہؓ کے ہم زلف بھی تھے۔ حضور ﷺ کی زوجۂ مطہرہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی بہن قریبہ صغریٰ بنت امیہ بن مغیرہ حضرت معاویہؓ کے نکاح میں تھیں۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ [۲]

(۳) حضرت امیر معاویہؓ کی بہن ہند بنت ابی سفیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی کے فرزند حارث (بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب) کے نکاح میں تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادے بھی تھے جن کا نام محمد تھا۔ [۳]

(۴) سیدنا حضرت حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب کا نکاح حضرت ابوسفیانؓ کی نواسی لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی سے ہوا تھا۔ یعنی لیلیٰ کی ماں حضرت میمونہ ابوسفیانؓ کی بیٹی ہیں اور حضرت معاویہؓ کی بہن ہیں۔ لیلیٰ ہی سے حضرت حسینؓ کے فرزند علی اکبر پیدا ہوئے۔ جو کربلا میں شہید ہوئے۔ [۴]

(۵) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا عباس بن عبدالمطلب کی پوتی لبابہ بنت علی بن عباس حضرت معاویہؓ کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابی سفیانؓ کے نکاح میں تھیں۔ [۵]

(۶) حضرت سیدنا حسینؓ کی صاحبزادی سیدہ سکینہ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ کے پوتے

---

[۱] جمہرۃ الانساب لابن حزم، ص ۱۱۱ الاصابہ لابن حجر ص ۵۸،۵۹
[۲] کتاب المحبر لابی جعفر البغدادی ص ۱۰۲، طبع حیدرآباد دکن
[۳] نسب قریش، ۵۷
[۴] منتخب التواریخ (شیعی ۹ ص ۲۷۱)

زید بن عمرو کے ساتھ ہوا تھا۔ [1]

(۷) سیدنا حضرت حسینؓ کی ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا دوسرا نکاح حضرت عبداللہ بن عمرو کے ساتھ ہوا یہ حضرت عثمان غنیؓ کے پوتے تھے۔

(۸) حضرت سیدنا حسینؓ کی پوتی ام القاسم کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ کے پوتے مروان بن ابان بن عثمانؓ کے ساتھ ہوا۔

(۹) دختران علیؓ زیادہ تر بنو جعفر، بنو عقیل، بنو عباس کی طرح بنو مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ کے نکاح میں آئیں۔ ابن حزم نے جمھرۃ الانساب میں لکھا ہے:

وتزوج منھن ایضا عبدالملک بن مروان۔ [2]

یعنی ان (بنات علیؓ) سے عبدالملک بن مروان نے نکاح کیا۔

ان رشتہ داریوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے ان دونوں خاندانوں میں حقیقی بھائیوں کی اولاد ہیں نہ کوئی عداوت تھی، نہ نسلی منافرت، اور نہ ہی مذہبی اختلاف۔ تاریخ کی واضح شہادتیں اور معتبر حوالے بتاتے ہیں کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان اور بھی متعدد رشتہ داریاں ہوئیں کیونکہ یہ سب عبد مناف کی ہی اولاد ہیں۔ ان رشتہ داریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی قبائلی تعصب اور خاندانی رقابت ومنافرت نہیں تھی، اسلام نے سب دھڑے بندیاں مٹادی تھیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا صحابہ کرامؓ کی آپس محبت حضور اکرم ﷺ کا معجزہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا [3]

نیز عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ

---

[1] (طبقات ابن سعد، ج ۸/ص ۳۴۹) [2] جمھرۃ الانساب ابن حزم ص ۳۳۔ المعارف ابن قتیبہ ۹۲

[3] (حضور کی تشریف آوری کی برکت سے اللہ نے) تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پس تم اللہ کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔

وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (پ ۲۸ سورہ ممتحنہ) [1]

اور حدیثِ مبارکہ وَ کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا [2]

ورنہ اس پیش گوئی اور فرمانِ رسول کا فائدہ ہی کیا ہوا۔

اس کے باوجود اگر کوئی ان دونوں خاندانوں کے درمیان اسلام سے پہلے والی عداوت دشمنی کو ثابت رکھنا چاہتا ہے اور دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ جاہلیت کا تعصب اور عناد ان میں قائم تھا تو وہ عنایت الٰہی، رحمتِ خداوندی، فرمان باری اور قولِ رسولؐ و برکتِ رسولؐ کا انکار کر کے اپنے خبثِ باطن اور جاہلی تعصب کو ثابت کر رہا ہے۔

## حضرت معاویہؓ اسلام کے دامن میں

امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے ایمان لانے کے سلسلہ میں کئی اقوال ہیں۔ بعض مؤرخین نے خود حضرت معاویہؓ کا قول ذکر کیا ہے، وہ فرماتے تھے کہ میں نے عمرۃ القضا (سنہ ۷ ھ) سے پہلے ہی ایمان قبول کر لیا تھا لیکن میری والدہ ہند بنت عتبہ کا خوف مجھے مدینہ ہجرت کرنے سے مانع رہا۔ علامہ ابن حجر مکیؒ نے الاصابہ میں لکھا ہے:

"حکیٰ ابن سعد انہ کان یقول لقدا سلمت قبل عمرۃ القضیۃ ولکنی کنت اخاف ان اخرج الی المدینۃ لان امی کانت تقول ان خرجت قطعنا عنك القوت۔" [3]

بعض مؤرخین فتح مکہ (سنہ ۸ ھ) کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان کے ساتھ ان کے اسلام لانے کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن صاحب معاملہ کا بیان اس سلسلہ میں قوی ہے

---

[1] عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تمہاری دشمنی ہے، دوستی پیدا کر دے، اللہ بڑا قدرت والا ہے اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

[2] بخاری: ۶۰۶۵، مسلم ۲۵۵۹۔ اللہ کے بندوں بھائی بھائی ہو جاؤ۔

[3] الاصابہ: ج: ۳، ص ۴۱۳

اسلام قبول کرنے کے وقت ان کی عمر تقریباً ۱۸ برس کی تھی۔ اس سلسلہ میں بعض دوسری تائیدات بھی ملاحظہ ہوں۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے:

اسلم وھو ابن ثمانی عشرۃ سنۃ و کان یقول اسلمت عام القضیۃ ولقیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضعت عندہ اسلامی ۔ [۱]

اسلام لائے تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور کہتے تھے کہ میں عمرۂ قضا کے سال اسلام لے آیا تھا، رسول اللہ سے مل کر ان کے سامنے اپنا اسلام پیش بھی کر دیا تھا۔

صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں

و کان معاویۃُ یقول انہ اسلم عام القضیۃ وانہ لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلما و کتم اسلامہ من ابیہ وامہ۔ [۲]

معاویہؓ کہتے تھے کہ وہ عمرۂ قضا کے سال اسلام لے آئے تھے اور بحالتِ اسلام آپؐ سے ملاقات کی تھی اور اپنے والدین سے اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حضرت معاویہؓ کا قول نقل کیا ہے:

ثم لما دخل عام الفتح اظھرت اسلامی فجئتہ فرحب بی۔ [۳]

پھر جب فتح مکہ کا سال آیا تو میں نے اپنا اسلام ظاہر کیا اور (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا آپؐ نے مجھے خوش آمدید کہا۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ فتح مکہ سے ایک سال پہلے اسلام قبول کر چکے تھے مگر انھوں نے اس کا اظہار فتح مکہ کے موقع پر ایک سال بعد کیا۔

---

[۱] تاریخ بغداد ج:۱، ص۲۰۷ [۲] اسد الغابہ ج:۴، ص۳۸۵

[۳] البدایہ والنہایہ ج:۸، ص۱۱۷

## غزوات کی شرکت اور عنایاتِ نبوت

حضرت معاویہؓ نے فتح مکہ سنہ ۸ ھ میں اپنے اسلام کا اعلان واظہار کیا جبکہ وہ ایک سال پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ رمضان شریف میں مکہ فتح ہوا اور اس کے فوراً بعد ماہ شوال میں دو بڑے اور اہم غزوات غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف پیش آئے۔ تقریباً بارہ ہزار صحابہؓ ان غزوات میں شریک تھے۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان اپنے والد ابوسفیانؓ کے ساتھ دینی جذبات سے سرشار، اسلام کی سربلندی کے لئے ان میں شریک ہوئے اور جہاد وقتال کا فریضہ انجام دیا اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے خصوصی عنایات کے مستحق قرار پائے۔ چنانچہ مؤرخین کے مطابق ان غزوات کے مالِ غنیمت میں جن حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو سو اونٹ عنایت فرمائے ان میں حضرت ابوسفیانؓ، ان کے بیٹے حضرت معاویہؓ اور حکیم بن حزامؓ (ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھائی) وغیرہ تھے۔ [1]

سیرت حلبیہ میں بھی اس عنایت نبوی کا ذکر تفصیل سے موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

فاعطیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفة ای من اسلم من اھل مکة فکان اولھم ابا سفیان بن حرب اعطاہ اربعین اوقیة ومأة من الابل وقال ابنی یزید یقال لہ یزید الخیر فاعطاہ کذلك وقال ابنی معاویة فاعطاہ کذالك فاخذ ابو سفیان ثلث مأة من الابل ومأة وعشرین اوقیة من الفضة۔ [2]

- یعنی اہل مکہ میں سے جو اسلام لائے اور وہ مؤلفۃ القلوب تھے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال عنایت فرمایا ان لوگوں میں پہلے ابوسفیان تھے ان کو ایک

[1] البدایہ والنہایہ ج: ۴ ص ۳۶۰ [2] سیرت حلبیہ، ج: ۳ ص ۱۲۶۹

سو اونٹ اور چالیس اوقیہ عنایت فرمائے پھر انھوں نے عرض کیا کہ میرے بیٹے یزید کے لئے بھی جن کو یزید الخیر کہا جاتا ہے، تو آپ نے ان کے لئے بھی اتناہی دیا، پھر ابوسفیانؓ نے عرض کیا کہ میرے فرزند معاویہؓ کے لئے بھی مرحمت فرمایئے تو آپؐ نے ان کے لئے بھی اتناہی عنایت فرمایا۔ اس طرح ابوسفیانؓ نے تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی حاصل کی۔

اس خصوصی رعایت اور عنایت کو مؤرخین اور اہل علم نے "تالیف قلب" کا نام دیا ہے اور یہ عنایت پانے والے حضرات "مؤلفۃ القلوب" کہلاتے ہیں جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔

## حضرت معاویہؓ اور کتابت وحی

فتح مکہ کے بعد حضرت معاویہؓ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہیں رہ کر مختلف اسلامی خدمات انجام دیں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت قریش مکہ میں متعدد لوگ ایسے تھے جو لکھنے پڑھنے کا فن جانتے تھے، ان لوگوں میں حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی مرتضیٰ، عثمان بن عفان، ابوعبیدہ بن الجراح، طلحہ بن عبیداللہ، ابوسفیان حرب، یزید بن ابی سفیان، اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اجمعین قابل ذکر ہیں۔ حضرت معاویہؓ صاحب علم تھے اور لکھنے پڑھنے میں مہارت رکھتے تھے اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خدمت میں رکھ کر ایسے اعزازات سے نوازا جوان کے لئے باعث شرف و امتیاز ثابت ہوئے۔ اب حضرت معاویہؓ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر باش غلام اور خادم تھے اور آپ کے پہلو میں بیٹھنے کا شرف بھی ان کو حاصل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر مکمل بھروسہ تھا، ان کو صرف صحبت نبوی ہی نہیں بلکہ آنحضور علیہ السلام سے غیر معمولی قربت بھی حاصل تھی۔ بادشاہوں کو

مراسلت اوران کی طرف سے آنے والے خطوط کے جواب کی اہم ذمہ داری بھی آپ کے حوالہ تھی جوایک بڑا اعزاز اور باوقار منصب تھا۔

بارگاہ رسالت میں متعدد صحابہ کتابت کی ذمہ داری کے لئے منتخب تھے، حضرت معاویہ ؓ چونکہ کتابت اور تحریر وانشاء کافن بخوبی آتا تھا اس لئے حضورﷺ کے کاتبوں میں ان کا ایک نمایاں مقام تھا، جس سے ان کے صدق وامانت اور عدالت کا ثبوت ملتا ہے اور حضورؐ کا معتمد ہونے کی واضح دلیل بھی۔

بُرا ہو بدظنی اور نفرت کا، بعض دانشوران قوم اور بغض معاویہؓ میں مبتلا عاقبت نااندیش عقلمند یہاں ایک دور کی کوڑی لاتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ بیشک حضورؐ کے کاتب تھے مگر وہ صرف آپؐ کے فرامین وخطوط لکھا کرتے تھے اور بعض وثیقے بھی ان کے ہاتھ سے معرض تحریر میں آئے یہ کوئی اعزاز کی بات نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ آپؐ کے میرمنشی تھے اور بس۔

اس واہمہ کو دور کرنے کے لئے کچھ دلائل پیش کئے جاتے ہیں جن سے ان کا کاتب فرامین وخطوط ہونا بھی ثابت ہوگا اور اللہ کی طرف سے آنے والی وحی یعنی قرآن پاک کا کاتب ہونا بھی واضح ہوجائے گا۔ پہلے وہ حوالے پیش خدمت ہیں جو فرامین اور وثیقہ نویسی کا ثبوت ہیں اور بعد میں کتابت وحی کے ثبوت۔ تاکہ دونوں چیزیں الگ الگ رہیں اور اہل بغض تلبیس سے کام نہ لے سکیں۔

(۱) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ بن ابی سفیانؓ کو میرے ساتھ حضر موت روانہ کیا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے زمین کا ایک قطعہ متعین کر کے میری تحویل میں دیدیں اور ساتھ ہی میرے لئے ایک خاص تحریر لکھوائی جس میں میری قوم پر میری فوقیت ظاہر فرمائی اور میرے لئے اور میرے

متعلق ایک وثیقہ بطور مکتوب عطا فرمایا۔ [۱]

(۲) مستدرک حاکم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہلال بن حارث مزنیؓ حاضر ہوئے تو ان کو آپؐ نے ساحل البحر کے علاقہ معادن القبلیہ سے زمین کا کچھ حصہ عنایت فرمایا اور بطور وثیقہ ایک تحریر لکھ دی۔ یہ وثیقہ حضرت معاویہؓ نے لکھا تھا۔ [۲]

(۳) حضرت سہل بن حنظلہ انصاری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرورِ کائنات کی خدمت میں عیینہ بن حصن بن بدر اور اقرع بن حابس حاضر ہوئے اور انھوں نے بعض ضروریات کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے مطالبہ کو پورا کرنے کا حکم دیا اور حضرت معاویہؓ کو مامور کیا کہ ان کی ضروریات پوری کرنے کی خاطر ایک تحریر لکھ کر ان کو دیدی جائے تو حضرت معاویہؓ نے ان کو الگ الگ تحریر لکھ کر دے دی۔ [۳]

(۴) حضرت تمیم داریؓ اور ان کے ساتھی کے لئے بھی ایک وثیقہ لکھنے کا ذکر ہے جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ وثیقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری اور ان کے ساتھیوں کو لکھ کر دیا ہے (اس میں آپؐ نے فرمایا کہ) میں نے مقام عینون جبرون، مطوم اور بیت ابراہیم انھیں اور ان کی اولاد کو سپرد کر دی ہے۔ اب جو شخص ان کو اذیت پہونچائے گا اللہ تعالیٰ اس کو تکلیف میں ڈالیں گے۔ اس وثیقہ پر حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ کو گواہ بنایا۔ یہ تحریر بھی حضرت معاویہؓ نے لکھی۔ [۴]

---

[۱] تاریخ کبیر امام بخاری ج:۴، ص۱۷۶، ۱۷۵۔
[۲] مستدرک حاکم ج:۳ ص ۵۱۷
[۳] تاریخ المدینۃ المنورۃ (ابن شبہ) ج:۲ ص ۵۳۵، طبع قاہرہ
[۴] تاریخ مدینہ منورہ (ابوزید عمرو بن شبہ بصری) ص ۶۲۲ طبع قاہرہ

## حضرت معاویہؓ کی کتابتِ وحی

ذیل میں وہ دلائل لکھے جاتے ہیں جن سے کاتب وحی ہونا بصراحت معلوم ہوتا ہے:

(۱) ان معاویة كان يكتب الوحى لرسول الله صلى الله عليه وسلم مع غيره من كتاب الوحى۔ [۱]

یعنی دیگر کاتبانِ وحی کے ساتھ حضرت معاویہؓ بھی وحی کی کتابت کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔

(۲) وصحب معاوية رسول الله صلى الله عليه وسلم وكتب الوحى بين يديه مع الكتاب۔ [۲]

یعنی حضرت معاویہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے اور دوسرے وحی لکھنے والوں کے ساتھ رسول اللہ کے سامنے وحی کی کتابت کرتے۔

(۳) امام بخاری کے شیخ حضرت معافی بن عمران نے فرمایا جس کو قاضی عیاض نے شفاء میں نقل کیا ہے کہ: معاوية صاحبه وصهره وكاتبه وامينه على وحى الله عزو جل۔ [۳]

یعنی حضرت معاویہؓ رسول اللہؐ کے صحابی، سسرالی رشتہ دار، کاتب اور وحی الٰہی پر آپؐ کے امین ہیں۔

(۴) شمس الدین سرخسی حنفیؒ (۴۸۳ھ) فرماتے ہیں: وقد كان هو من كبار الصحابةؓ وكان كاتب الوحى، وكان امير المومنين، وقد اخبره رسول الله

---

[۱] البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص۲۱ [۲] البدایہ والنہایہ ج:۸، ص۱۱۷

[۳] (شفا، قاضی عیاض ص ۵۲ جلد ۲)

صلی اللہ علیہ وسلم بالملك بعده۔۔۔ ۱

یعنی حضرت معاویہؓ اکابر صحابہؓ میں سے تھے، کاتب وحی اور امیر المومنین تھے، آپؐ نے ان کو اپنے بعد حکومت کی خوش خبری دی تھی۔

(۵) حافظ ابن عساکر دمشقی شافعیؒ (۵۸۱ھ) فرماتے ہیں: معاویہ بن صخر (ابو سفیان) بن حرب بن امية بن عبدالشمس بن عبدمناف ابوعبدالرحمٰن الاموی خال المومنین و كاتب وحی رب العالمین۔ ۲

یعنی حضرت معاویہؓ اہلِ ایمان کے ماموں اور کاتبِ وحی تھے۔

(۶) مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں لکھتے ہیں:

معاویة بن ابی سفیان اموی كاتب وحی رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ ۳

معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اموی کاتبِ وحی تھے۔

محدثین اور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت معاویہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر فریضۂ کتابت ادا کیا کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کی تحریر لکھوانے کی ضرورت ہوتی اور حضرت معاویہؓ مجلسِ نبوی میں موجود نہ ہوتے تو آپ کسی کو بھیج کر ان کو طلب فرماتے اور تحریر لکھواتے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ کر فرمایا جاؤ معاویہؓ کو بلا لاؤ۔ تو وہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ حضورؐ کو تحریر کی ضرورت ہے، وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ ۴

شیعہ مؤرخ یعقوبی نے بھی اس بات کا کھلے طور پر اعتراف کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کتابتِ وحی، وغیر وحی، مراسلہ نویسی اور دوسرے عہد نامے لکھنے اور پڑھنے کی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ:

---

۱ المبسوط (۲۴، ۴۷) ۲ تاریخ دمشق ص ۵۵/۵۹ ۳ عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ ص ۴۵ ۴ مسند احمد حنبل، ج:۱، ص ۲۸۰

،، آنحضرت علیہ السلام کے لئے وحی، مراسلے، عہود و مواثیق لکھنے والوں میں حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت خالد بن سعید بن عاص، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم تھے۔ [1]

ان تمام مذکورہ حوالوں سے یہ بات بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کو بارگاہ نبوت میں پورا اعتماد حاصل تھا۔ وہ کاتبان نبوی میں شامل تھے، وحی اور غیر وحی دونوں طرح کی تحریریں آپؐ کے قلم سے لکھی گئی ہیں۔ یہ چیز ان کے عادل اور امین ہونے کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

" وکان لایستکتب الاعدلاامینا۔ " [2]

آپ ﷺ عادل اور امانتدار شخص کے علاوہ کسی کو کاتب نہیں بناتے تھے۔

الغرض حضرت معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، مقرب اور معتمد تھے ان کی امانت داری اور عدل پر رسول اللہ ﷺ کو بھروسہ تھا جس سے ان کی فضیلت صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن۔

چشم بداندیش کہ برکندہ باد — عیب نماید ہنرش درنظر

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة — ولکن عین السخط تبدی المساویا

## عدمِ فضیلت کا شبہ اور اس کا جواب

اس دنیا میں اقرار و انکار کی زنجیر بڑی لمبی ہے۔ انکار کرنے والوں نے نہ معلوم کتنی بدیہیات کا انکار کردیا ہے۔ آگ جلاتی ہے لوگوں نے اس کا بھی انکار کردیا جن کو "لاادریہ" کہتے ہیں، رسولوں کا انکار کردیا اور حد یہ کہ خداتک کا انکار کر بیٹھے۔ امیر المومنین حضرت سیدنا معاویہؓ کے سلسلہ میں بھی بعض طعنہ زنی کرنے والوں نے ان کی

---

[1] تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۸۰ [2] ازالۃ الخفاء ۲/۱۴۷ طبع قدیم دہلی

ہر طرح کی فضیلت کا انکار کر دیا اور بڑے زور وشور کے ساتھ دعویٰ کیا کہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے اور حضورؐ نے ان کو فضل وشرف کا کوئی مقام نہیں دیا ہے۔

اس شبہ کا جواب ہم دو طرح سے دیتے ہیں۔ایک اجمالی اور دوسرے تفصیلی۔

## اجمالی جواب

اس شبہ کا یہ جواب اگر چہ اجمالی ہے مگر تمام تر تفاصیل پر بھاری ہے اور اس سے بڑی فضیلت نبوت کے بعد کوئی ہو ہی نہیں سکتی یعنی آنحضورؐ کی صحابیت۔حضرت معاویہؓ فتح مکہ سے پہلے یا بعض اقوال کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے اور جب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے پر تپاک استقبال کیا اور مرحبا کہا۔

اب حضرت معاویہ صحابی تھے اور وہ تمام مناقب وفضائل اور محامد ومحاسن جن کے تمام صحابہ کرام مستحق ہیں حضرت امیر معاویہ بھی ان میں داخل ہیں۔چاہے وہ

هم الفائزون کی فضیلت ہو

یاهم المفلحون کی سند ہو

یاهم المومنون حقا کی بشارت ہو

یاحبب الیکم الایمان وزینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان کا اعلان ہو

یا کلا وعدالله الحسنیٰ کی خوشخبری ہو

یاربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان کی دعا ہو

ان تمام آیات قرآنیہ اور نصوص قطعیہ میں فضیلت صحابہؓ مذکور ہے۔جس میں حضرت معاویہؓ بھی داخل ہیں۔

لہٰذا حضرت معاویہؓ کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے جو قطعی اور یقینی ہے اس کو فضیلت صحابیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قطعی فضیلت کو کسی ظنی دلیل، تاریخی شہادت اور ہر کس و ناکس کی روایت کی بنیاد پر رد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی تاریخ کی کوئی معتبر سے معتبر روایت اس کے ہم پلہ ہو سکتی ہے۔

## تفصیلی جواب

### حضرت معاویہؓ کے فضائل

(۱) صحابیت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ صحابیٔ رسولؐ ہیں اور نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں ان کا اسلام قبول ہوا۔

(۲) کاتب وحی ہونا

دربارِ نبوت میں حاضر رہ کر اللہ کی طرف سے اترنے والے کلام کو لکھنے اور زبانِ رسالتؐ سے صادر ہونے والے فرامین واحکام کو تحریر کرنے کی سعادت حضرت معاویہؓ کو نصیب ہوئی۔ یہ ان کے معتمد رسولؐ ہونے کی بین شہادت اور فضیلت کی اہم دلیل ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

(۳) رسول اللہ ﷺ سے رشتہ قرابت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی ہونے کے علاوہ حضرت معاویہؓ آپ کے ہم زلف بھی تھے۔ رشتہ داری کا شرف بڑا شرف ہے، رسول اللہؐ نے اس رشتہ کی رعایت کرنے کی تاکید فرمائی اور اس پر جنت کی بشارت دی۔ [۱]

(۴) بخاری کی روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بال

[۱] تطہیر الجنان ابن حجر مکی، تنویر الایمان اردو ترجمہ۔ ص ۲۵

تراشنے کی سعادت بھی آپؓ کو ملی۔ باقیاتِ رسولؐ سے تبرک حاصل کرنے کا جذبہ بھی اس سے نمایاں ہوتا ہے جو رسول اللہؐ سے ان کی گہری وابستگی، والہانہ محبت اور لگاؤ کی روشن دلیل ہے۔ موئے مبارک تراش کر زندگی بھر اپنے پاس حفاظت سے رکھے اور اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت فرمائی جسے پورا کیا گیا۔

## (۵) زبانِ رسالت سے دعائیں

حضرت معاویہؓ حضور انور علیہ السلام کی مجلس کے حاضر باش خادم اور درباری تھے اس سعادت کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہے گاہے ان کے حق میں بعض دعائیں فرمائیں اور ان دعاؤں کے مقبول بارگاہِ الٰہی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان دعاؤں کی برکات آپ کی زندگی میں پائی گئیں۔

ان میں سے چند دعائیں ملاحظہ ہوں:

(الف) صحابی رسولؐ عبدالرحمن بن ابی عمیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امیر معاویہؓ کے حق میں یہ کہتے ہوئے سنا "اللهم اجعله هاديا مهديا واهده واهدبه۔[1]

یعنی اے اللہ! معاویہؓ کو لوگوں کیلئے ہادی بنا اور ہدایت یافتہ فرما، اس کو ہدایت دے اور اس کے ذریعہ سے دوسروں کو ہدایت نصیب فرما۔

دعا میں موجود کلمات نبوت سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ خود ہدایت کے مقام پر فائز ہیں اور دوسروں کے لئے بھی ہدایت کا ذریعہ ہیں۔ دعا میں الفاظ مکرر ہیں جو مضمون کی تاکید کر رہے ہیں۔

(ب) حضرت عرباض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی

---

۱ ترمذی شریف ص ۵۴۷، تاریخ کبیر امام بخاری ج ۴، ص ۳۲۷

اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ : اے اللہ ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔

"اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب۔ "[1]

اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا اور اس کو عذاب سے بچا۔

(ج) محدثین اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ فاروق اعظم عمر بن خطابؓ نے حضرت عمیر بن سعدؓ کو حمص کا حاکم بنایا پھر کچھ عرصہ بعد ان کو اس عہدہ سے ہٹا کر ان کی جگہ حضرت معاویہؓ کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ اس تبدیلی پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو عمیر بن سعدؓ نے فرمایا:

لاتذكروا معاوية الا بخير فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : اللهم اهده۔ [2]

اے لوگو! معاویہؓ کا تذکرہ بھلائی اور اچھائی کے سوامت کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپؐ معاویہؓ کے لئے فرماتے تھے کہ اے اللہ ان کو ہدایت نصیب فرما۔

(د) امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں اور امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ حضور اکرم ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھے، حضورؐ نے پوچھا تمھارے جسم کا کون سا حصہ میرے زیادہ قریب ہے؟ حضرت معاویہؓ نے عرض کیا میرا پیٹ آپ کے زیادہ قریب ہے، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اے اللہ ! اس کو علم اور حکمت سے بھر دے۔ اللهم أملأه علما وحكما [3]

---

[1] مسند احمد، ج:۴، ص ۱۲۷، صحیح ابن حبان ج:۹، ص ۳۵۶، البدایہ ج:۸ ص ۱۲۰ [2] تاریخ کبیر امام بخاری، ج:۴، ص ۱۸۰، تاریخ اسلام ذہبی ج:۲ ص ۳۱۹ [3] تاریخ کبیر ج:۴ ص ۱۸۰، تاریخ اسلام ذہبی ج:۲، ص ۳۱۹

## صحابہؓ کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے اثرات

حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں زبان رسالت سے نکلی ہوئی یہ چند دعائیں ان کے لئے باعثِ اعزاز وافتخار ہیں اور امت کے حق میں مقامِ معاویہؓ کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کرامؓ کے حق میں مختلف طرح کی دعائیں ارشاد فرمائی ہیں جو ان کی زندگی میں انقلاب آفریں ثابت ہوئیں اور اس کے اثرات ونتائج کو دنیا نے کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا تو دعا فرمائی: اللھم ثبت لسانه واهد قلبه۔ [۱]

اے اللہ! ان کی زبان کو (حق پر) ثابت رکھ اور ان کے دل کو ہدایت دے۔

نیز فرمایا:

اللھم ادر الحق معه حيث دار۔ [۲]

اے اللہ حق کو اسی طرف پھیر دے، جس طرف وہ (علیؓ) جائیں۔

ان دعاؤں کے اثرات یقینی طور پر حضرت علیؓ کی زندگی میں ظاہر ہوئے اور ان کو اقضاھم علی (یعنی سب سے عمدہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت کا حامل) بنادیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی:

اللھم علمه الكتاب والحكمة۔ [۳]

اے اللہ ان کو کتاب وحکمت کا علم عطا فرما۔

اس دعا کے اثر سے وہ امت میں ''رئیس المفسرین'' اور ''حبر الامت'' قرار پائے۔ اس کے علاوہ کئی صحابہ کرامؓ کے حق میں آپ کی دعائیں منقول ہیں۔ حضرت معاویہؓ بھی ان خوش نصیب افراد میں سے ہیں: جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار دعاؤں

[۱] البدایہ والنہایہ ج: ۸ ص: ۱۰۷
[۲] ترمذی شریف۔
[۳] بخاری شریف ج: ۱ ص: ۵۳۱

سے نوازا۔
ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ:
ولاارتياب ان دعاء النبی ﷺ مستجاب فمن كان هذا حاله كيف يرتاب فی حقه۔ [1]
یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کی دعا قبول ہوتی ہے تو جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے حق میں قبولیت کے اندر کس طرح شبہ کیا جا سکتا ہے۔
نیز یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کے حق میں دعا دینا استحقاق اور صلاحیت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ جن کو آپؐ نے جس چیز کا مستحق سمجھا اور اہلیت و لیاقت دیکھی تو اس کو دعا دی۔ کسی نااہل اور غیر مستحق کے حق میں آپؐ نے دعا نہیں فرمائی۔
اس ضمن میں ایک اور دعائے نبوی بھی ملاحظہ فرمائیں جس کو حاسدین معاویہؓ بجائے دعا کے بددعا میں شامل کر دیتے ہیں اور اپنے سیاہ دل کی خوب بھڑاس نکالتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے بددعا فرمائی ہے حالانکہ وہ بددعا ہے ہی نہیں۔
حدیث ملاحظہ ہو:
حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دن بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو میں ایک دروازے کے پیچھے چھپ گیا آپؐ نے آ کر میری پیٹھ پر ہاتھ مارا اور فرمایا جاؤ معاویہؓ کو میرے پاس بلا لاؤ، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں گیا اور واپس آ کر عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ معاویہؓ کو میرے پاس بلا لاؤ چنانچہ میں پھر گیا اور آ کر عرض کیا وہ کھانا کھا رہے ہیں، حضرتؐ نے فرمایا: اللہ اسکا پیٹ نہ بھرے۔ [2]

---
[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج ۱۱، ص ۳۳۸
[2] مسلم حدیث نمبر ۲۶۰۴

حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۶۹/۱۰۶) میں اور علامہ ابن کثیر نے البدایہ (۱۲۲/۸) میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

حاسدین اس حدیث سے حضرتِ معاویہؓ پر اعتراض کرتے ہیں لیکن اس سے حضرت معاویہؓ پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا بلکہ یہ منقبت ہے کیونکہ:

☆اول: اس حدیث میں کہیں ذکر نہیں کہ ابن عباسؓ نے حضرت معاویہؓ سے کہا ہو کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں اور انھوں نے آنے میں تاخیر کی ہو، بلکہ یہ احتمال ہے کہ ابن عباسؓ نے ان کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھا اس لئے انھوں نے کچھ نہیں کہا اور لوٹ کر حضور کو بتادیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں اور دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دیر تک کھانا کھاتے رہے۔ اس میں کون سا دینی نقصان ہے جو عیب کہلائے۔ اگر اس دعا کو حقیقی معنی میں بھی لیا جائے تو (بظاہر) زیادہ کھانے کی بددعا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ان کو تعب اور مشقت ہوگی نہ کہ آخرت میں اور جس چیز سے آخرت میں کوئی نقصان نہ ہو اس سے کمال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دوم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس طرح کے الفاظ کئی صحابہ اور صحابیات کے بارے میں نکلے ہیں جن سے مقصود بددعا نہیں ہوتی تھی بلکہ عربوں کی عادت کے مطابق ایسے الفاظ بلا قصد نکلے ہیں جیسے آپ نے بعض صحابہؓ کے متعلق فرمایا: تربت یمینك، تربت یداك، (تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں) یا بعض امہات المومنینؓ کو فرمایا: عقری، حلقی' (یعنی پاؤں کٹی ہوئی، سرمنڈی ہوئی) یا جیسے حضرت انسؓ کی والدہ حضرت ام سلیمؓ کے پاس موجود ایک یتیم لڑکی کے بارے میں فرمایا: لَاکَبِرَسِنُّكِ (تمھارے دانت بڑے نہ ہوں) اسی طرح حضرت معاویہؓ کے بارے میں فرمایا: لااشبع اللہ بطنہ۔ (اللہ اس کو شکم سیر نہ کرے)

سوم: امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ اس بدعا کے مستحق نہ تھے کیونکہ انھوں نے ایک باب باندھا ہے "باب من لعنه النبی ﷺ او سبه اودعا علیه ولیس هو اهلا لذلك، كان له زكاة واجرا ورحمة" (صحیح مسلم ۳۲۳) وہ لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ نے برا کہا یا ان کو بددعا دی، حالانکہ وہ اس کے مستحق نہ تھے تو یہ ان کے لئے پاکی، ثواب اور رحمت کا سبب ہوگا۔ اسی باب میں اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے۔

چہارم: یہ حدیث حضرت معاویہؓ کے مناقب میں ہے۔ امام نوویؒ شارح مسلم فرماتے ہیں: وقد فهم مسلم من هذ الحديث ان معاوية لم يكن مستحقا للدعاء عليه فلهذا ادخله فى هذ الباب، وجعله غيره من مناقب معاوية لانه فى الحقيقة يصير دعاء اله۔ [1]

یعنی امام مسلم نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ حضرت معاویہؓ اس بدعا کے مستحق نہ تھے اسی لئے انھوں نے اس حدیث کو اس باب میں داخل کیا ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کو مناقب معاویہؓ میں شمار کیا ہے کیونکہ درحقیقت یہ ان کے لئے دعا ہے۔

قابلِ غور بات ہے کہ زبانِ رسولؐ سے جس انسان کے حق میں یہ اہم ترین اور فضل وشرف کی حامل دعائیں احادیث اور تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں ان سے نظر ہٹا کر غیر معتبر مؤرخین، نامستند راویوں اور بغض صحابہؓ سے لبریز سینوں سے نکلی ہوئی واہیات پر کیوں کان دھرے جاتے ہیں اور ان کے سہارے اپنے دلی عناد کو تسکین دی جا رہی ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا یہی نتیجہ ہے جو ثابت کیا جا رہا ہے۔ کیا جو باغی، خاطی، عاصی، جائر اور کاٹ کھانے والی حکومت کا جابر شہنشاہ ہونے والا تھا اس کو رسول اللہ ﷺ اپنے پاس بٹھا کر وحی لکھوایا کرتے تھے، اس

[1] مسلم شریف جلد دوم ص ۳۲۵

کے لئے ہادی ومہدی ہونے کی دعائیں کرتے تھے اور کتاب وحکمت کے علم کا اس کے لئے اللہ سے سوال کرتے تھے۔ یہ دعائے رسول کی ناقدری نہیں تو اور کیا ہے؟ رسول اللہؐ نے ان کو مستحق اور اہل سمجھ کر ہی ایسی جامع دعائیں دی ہیں جو فضیلت کے علاوہ دنیا وآخرت میں ان کے اعلیٰ مراتب کی شاہد ہیں۔ لیکن طرار زبانیں، بیباک قلم، گستاخ دماغ اور تعصب سے بھرے ہوئے سینے اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اللہ رحم فرمائے۔

## (۶) حضرت معاویہؓ کی فضیلت اقوال رسولؐ سے

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے اب اقوال رسول پیش کئے جاتے ہیں جو احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اگر ان احادیث پر کچھ کلام ہے تو اس کو تمہید میں واضح کردیا گیا ہے کہ مناقب وفضائل میں ضعیف حدیث بھی باتفاق محدثین حجت ہوتی ہے اور قابل استدلال مانی جاتی ہے۔

(الف) حرث بن اسامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکرؓ میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل اور رقیق القلب ہیں، اس کے بعد آپ نے خلفائے اربعہ کے مناقب بیان کئے اور انکے ساتھ حضرت معاویہؓ کا بھی ذکر کیا اور فرمایا کہ معاویہ بن ابی سفیان میری امت میں سب سے زیادہ حلیم اور سخی ہیں۔[1]

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں:

ان دونوں عظیم الشان وصفوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ذات میں بیان کئے ہیں غور سے دیکھو تو تم کو معلوم ہوجائے گا کہ وہ ان دونوں وصفوں کے ذریعہ سے کمال کے اعلیٰ مرتبہ کو پہونچ گئے تھے جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔ کیونکہ

---

[1] تطہیر الجنان ترجمہ تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۲۲-۲۳

حلم اور جود (سخاوت) یہ دو صفتیں ایسی ہیں جو تمام طرح کی نفسانی خواہشات کو مٹا دیتی ہیں۔ اس لئے کہ تکلیف اور شدتِ غضب کے وقت وہی شخص حلم کر سکتا ہے۔ جس کے دل میں ذرہ برابر غرور اور نفسانی خواہش باقی نہ ہو۔ اسی وجہ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے کچھ وصیت فرمائیے، حضرتؐ نے فرمایا کبھی غصہ نہ کرنا، وہ شخص بار بار آپ سے کہتا رہا کہ مجھے وصیت فرمائیے اور حضرت بار بار یہی فرماتے رہے کہ کبھی غصہ نہ کرنا۔ معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص غصہ کے شر سے بچ جائے گا تو وہ نفس کی دوسری خباثتوں سے بھی بچ جائے گا اس میں تمام نیکیاں جمع ہوں گی۔ اسی طرح سخاوت کا حال ہے، تمام گناہوں کا سرچشمہ محبتِ دنیا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ محبتِ دنیا سے بچائے اور سخاوت کی صفت اس کو عطا کرے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے دل میں ذرہ برابر حسد نہیں ہے اور نہ وہ کسی فانی چیز کی طرف راغب ہو کر دنیا و آخرت کی نیکیوں کو برباد کر سکتا ہے اور جب کسی کا قلب ان دونوں آفتوں سے پاک ہو یعنی غضب اور بخل سے، جو تمام نقائص اور برائیوں کا سرچشمہ ہیں تو وہ شخص تمام کمالات اور نیکیوں کے ساتھ آراستہ اور تمام برائیوں سے پاک ہوگا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے کہ معاویہ حلیم اور سخی ہیں وہ تمام فضائل جو میں نے بیان کئے حضرت معاویہؓ کی ذات میں ثابت ہو گئے، اب وہ باتیں جو اہلِ بدعت اور جہلا بیان کرتے ہیں کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتیں۔[1]

(ب) محب طبری نے ریاض النظرہ میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سب سے زیادہ رحیم ابوبکر ہیں اور دین کی باتوں میں سب سے زیادہ قوی عمر ہیں اور حیا میں سب سے زیادہ عثمان ہیں اور علمِ قضا میں سب

[1] تنویر الایمان ترجمہ اردو تطہیر الجنان۔ ص ۲۲

سے زیادہ علی ہیں اور ہر نبی کے کچھ حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری طلحہ اور زبیر ہیں اور جہاں کہیں سعد بن وقاص ہوں تو حق انھیں کی طرف ہوگا اور سعید بن زید ان دس آدمیوں میں سے ایک ہیں جو رحمٰن کے محبوب ہیں اور عبدالرحمٰن بن عوف رحمٰن کے تاجروں میں سے ہیں اور ابو عبیدہ بن جراح اللہ اور رسول کے امین ہیں اور میرے راز دار معاویہ بن ابی سفیان ہیں۔ جو شخص ان لوگوں سے محبت کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا ہلاک ہوگا۔ [1]

(ج) بخاری اور مسلم کی روایت ہے ام حرامؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے گا اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔ جب آپ ﷺ نے یہ بشارت بیان فرمائی تو ام حرام نے عرض کیا: کیا میں بھی اس میں شامل ہوں؟ تو آپؐ نے جواب دیا: تم بھی اس میں سے ہو۔

"قال عمیر حدثتنا ام حرام انها سمعت النبی صلی الله علیه و سلم یقول اول جیش من امتی یغزون البحر قدا و جبوا قالت ام حرام قلت یارسول الله انا فیهم قال انت فیهم۔ [2]

جس لشکر کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں جنت کی بشارت دی ہے وہ لشکر حضرت امیر معاویہؓ کی ماتحتی میں تھا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران سنہ ۲۷ھ یا ۲۸ھ میں پیش آیا اور یہ غزوہ قبرص کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قبرص ساحلِ دمشق کے قریب ملک شام میں ایک لمبا جزیرہ تھا جس کو سائبرس کہا جاتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کی قیادت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بڑی فتح نصیب فرمائی

---

[1] تنویر الایمان ترجمہ اردو تطہیر الجنان۔ ص ۲۲
[2] بخاری جلد: اول، ص ۴۱۰، مسلم ج: ۲ ص ۱۴۲، ۱۴۱

اور کثرت سے مال غنیمت حاصل ہوا۔ سالانہ سات ہزار دینار جزیہ ادا کرنے کی شرط پر اہل قبرص نے حضرت معاویہؓ سے صلح کی۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ اس غزوہ میں شریک ہوئے مثلاً حضرت ابوایوب انصاری، ابوذر غفاری، ابوالدرداء، عبادہ بن صامت، فضالہ بن عبید انصاری، عمیر بن سعد، واثلہ بن الاسقع، شداد بن اوس، حسان بن ثابت، مقداد، کعب احبار وغیرہم۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(د) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے یہاں تشریف لے گئے، حضرت معاویہؓ کا سر ان کی گود میں تھا اور وہ ان کی جوئیں دیکھ رہی تھیں۔ حضرتؐ نے پوچھا کیا تم معاویہ کو چاہتی ہو؟ انھوں نے کہا میں اپنے بھائی کو کیوں نہ چاہوں، حضرتؐ نے فرمایا: اللہ اور رسول بھی معاویہؓ کو چاہتے ہیں۔ [1]

یہ حدیث ضعیف ہے لیکن خیال رہے کہ مناقب میں ضعیف حدیث تمام ائمہ فقہاء اصولیین اور محدثین کے نزدیک حجت ہوتی ہے۔

(ہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے مشورہ لیا اور ان سے دو مرتبہ فرمایا کہ تم مجھے مشورہ دو مگر ہر بار دونوں نے یہی کہا کہ اللہ اور اس کے رسول خود واقف ہیں۔ پھر آپ نے حضرت معاویہؓ کو بلوایا جب وہ آئے اور حضرتؐ کے سامنے کھڑے ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ وہ معاملہ معاویہ کے سامنے پیش کرو کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں۔ [2]

علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں ہاں بعض راویوں میں اختلاف ہے۔

---

[1] تحریر الایمان ترجمہ اردو تطہیر الجنان لابن حجر مکی ص ۲۴

[2] تحریر الایمان ترجمہ اردو تطہیر الجنان لابن حجر مکی ص ۲۷

## (۷) حضرت معاویہؓ کی فضیلت بشارات رسولؐ سے

حضرت امیر معاویہؓ کی امارت وخلافت کے سلسلہ میں احادیث کے اندر بعض اشارے پائے جاتے ہیں جن کو بشارات نبوی بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ آپؓ کی خوش نصیبی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو حکومت کی بشارت دے رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ نصیحت بھی فرمارہے ہیں۔ یہ آپ کے لئے یقیناً باعثِ فضیلت ہے۔ ان بشارات کو محدثین نے دیگر صحابہ کرامؓ کے علاوہ خود حضرت معاویہؓ سے نقل کیا ہے نیز اس کی تائیدات بھی ذکر کردی ہیں تاکہ اگر کسی روایت میں ضعف ہو تو وہ دور ہوجائے۔
پہلے احادیث ملاحظہ ہوں پھر اس کی تائیدات اور شواہد۔

(۱) عن معاویة قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم : یامعاویة ان ولیت امرافاتق الله واعدل قال فمازلت اظن انی مبتلی بعمل لقول النبی صلی الله علیه و سلم حتی ابتلیت۔ [۱]

ترجمہ: حضرت امیر معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے معاویہؓ اگر امارت وخلافت کا تم کو والی بنایا جائے تو خدا سے ڈرنا اور انصاف کرنا۔ حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے مجھے یہ خیال رہا کہ میں اس کام میں مبتلا ہوں گا یہاں تک کہ میں اس آزمائش میں مبتلا ہوگیا۔"

(۲) مشہور محدث ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے کہ:

عن عبدالملك بن عمیر قال قال معاویة مازلت اطمع فی الخلافة مذ قال لی رسول الله صلی الله علیه و سلم یامعاویة ان ملکت فاحسن۔ [۲]

ترجمہ: عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ: مجھے برابر خلافت

---

[۱] مشکوٰۃ الفصل ثالث ص ۳۲۲
[۲] مصنف ابن ابی شیبہ ج:۱۱ص ۱۴۷، ۱۴۹ مطبوعہ کراچی

وامارت ملنے کی امید رہی جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر تمہیں اقتدار اور حکومت ملے تو (رعایا کے ساتھ) اچھا سلوک کرنا۔

اس روایت کے بارے میں علما نے صراحت کی ہے کہ والحدیث حسن کما علمت فھو ممایحتج بہ علیٰ فضل معاویۃ۔ [۱]

یعنی یہ روایت حسن درجہ کی ہے اور حضرت معاویہؓ کی فضیلت پر استدلال کے لائق ہے۔

(۳) اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر عبدالملک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے کہ امیر معاویہؓ نے فرمایا:

واللہ ماحملنی علی الخلافۃ الاقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لی یامعاویۃ ان ملکت فاحسن [۲]

ترجمہ: اللہ کی قسم مجھ کو خلافت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان نے آمادہ کیا کہ : اے معاویہ: اگر تم کو حکومت ملے تو اچھا سلوک کرنا۔

علامہ ابن عساکر اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قال البیھقی اسماعیل بن ابراھیم ھذاضعیف الاان للحدیث شواھد۔

'یعنی اسماعیل بن ابراہیم ضعیف ہیں مگر اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں (لہٰذا اگر اس میں ضعف ہے تو وہ ان شواہد کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے)

(۴) امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں سندِ حسن سے روایت کیا ہے:

ان معاویۃ اخذ الاداوۃ بعد ابی ھریرۃ بتبع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھا واشتکیٰ ابوھریرۃ فبینا ھو یوضیٔ رسو ل اللہ ﷺ رفع رأسہ

---

[۱] صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص ۱۳۰  [۲] البدایہ والنہایہ ج: ۸ ص ۱۲۳

الیه مرة او مرتین وهو یتوضأ فقال یامعاویة ان ولیت امراً فاتق الله عزوجل واعدل قال فمازلت اظن انی مبتلی بعمل لقول النبی ﷺ حتی ابتلیت۔ [1]

یعنی جب حضرت ابوہریرہؓ بیمار ہوئے تو حضرت معاویہؓ نے پانی کا برتن اٹھالیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرانے لگے، حضرت نے وضو کرنے میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ سر اُٹھایا اور فرمایا: اے معاویہؓ اگر تم کو کہیں کی حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا۔ حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت سے مجھے برابر یہ خیال رہا کہ مجھے عنقریب خلافت ملنے والی ہے یہاں تک کہ مل گئی۔

علامہ ہیثمیؒ کہتے ہیں: رجال احمد وابی یعلیٰ رجال الصحیح۔ [2]

یعنی امام احمد اور ابو یعلیٰ کی سند کے رجال صحیح ہیں (ضعیف نہیں)

حضرت معاویہؓ کی حکومت واقتدار کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارات سامنے رکھیں اور ان کے پورے دورِ حکومت پر ایک نگاہ ڈالیں، چاہے وہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کی طرف سے تقرری کا بیس سالہ دور امارت ہو یا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت کے بعد کا بیس سالہ دور خلافت ہو، اس پورے عرصہ میں حضرت معاویہؓ کے ذریعہ کتنے شاندار کارنامے انجام پائے۔ افتراق وانتشار کے بعد امت میں اجتماعیت کا دور بھی واپس آیا جسے تاریخ میں ''عام الجماعۃ'' کہا گیا۔ اس کے علاوہ فتوحات اسلامی کا دروازہ کھلا اسلامی مملکت میں امن وسکون کی فضا قائم ہوئی اور رعایا کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا۔ امیر مملکت کی طرف سے اظہار رائے کی آزادی اور حسن سلوک کی اعلیٰ مثالیں قائم ہوتی ہوئی نظر آئیں

---

[1] مسند احمد ج: ۷، حدیث نمبر ۱۶۷۰۷

[2] مجمع الزوائد ج: ۹، ص: ۳۵۵

اور بشارات نبوی مکمل ہوئیں۔

## حضرت معاویہؓ اور ملک شام

سیدنا حضرت معاویہؓ کے سلسلے میں زبانِ رسالت سے نکلی ہوئی دعائیں اور اقوال رسول آپ نے پڑھے جو حضرت معاویہؓ کی فضیلت و کرامت کی واضح دلیل ہیں۔ اب ذرا اس ملک کا حال بھی دیکھئے جس پر حضرت معاویہؓ نے چالیس سال حکومت کی۔

خلیفہ ثانی حضرت سیدنا امیر المومنین عمر بن خطابؓ کی دور بیں اور دیدہ ور شخصیت نے حضرت معاویہؓ کا انتخاب ملک شام کی امارت کے لئے کیا تھا، اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے بھی آپ کو اس عہدہ پر قائم رکھا اور کچھ مزید اختیارات مصلحت خلافت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر ان کو دیدیے مثلاً سمندری حملوں کی اجازت وغیرہ۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے یہاں اپنی جنگی تدابیر، قوت عمل اور جوہر شجاعت سے اہم نقوش قائم کئے اور اس وقت کی سپر پاور طاقت ملک روم کے وسیع علاقے اسلامی سلطنت کے ماتحت کر لئے اور اسلامی خلافت کا ایک اہم اور مضبوط خطہ ملک شام قرار پایا۔

اس ملک شام کے بارے میں کچھ اہم امور پیش کئے جاتے ہیں جو فضیلتِ معاویہؓ کے سلسلہ کی سابقہ روایات کی تائید بھی ہیں اور بالواسطہ حضرت معاویہؓ کے دور کی فضیلت بھی ان سے ثابت ہوتی ہے۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وعلامات سابقہ کتابوں تورات وانجیل میں مذکور ہیں، ان علامات کو دیکھ کر علمائے اہل کتاب حضور ﷺ کو خوب پہچانتے تھے یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم (وہ رسول خدا کو ایسے جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو) ان ہی علامات کو ذکر کرتے ہوئے مشہور تابعی کعب احبار کہتے ہیں:

نجده مكتوبا محمد رسول الله مولده بمكة وهجرته بطيبة وملكه

بالشام۔ [1]

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تورات میں ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا ہے، آپ کی ولادت مکہ میں ہوگی اور ہجرت مدینہ میں ہوگی اور آپ کی حکمرانی ملکِ شام میں ہوگی۔

شارح مشکوۃ ملا علی قاریؒ نے اس روایت کی تشریح میں لکھا ہے:

ملکه اے بعد انتهاء مدته وايام خلافته بالشام كما كان لمعاوية من بعده لبنى امية على ذلك النظام۔ [2]

یعنی آپ کی مدتِ (نبوت) اور خلافت کے بعد آپ کی حکومت شام میں ہوگی جیسا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے بعد خلفائے بنی امیہ کے دور میں ہوا۔

(۲) مشکوۃ شریف کی روایت ہے:

عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخلافة بالمدينة والملك بالشام۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلامی حکومت مدینہ میں ہوگی اور اسلام کی امارت و حکمرانی ملک شام میں ہوگی۔

(۳) شریح بن عبید (تابعی) کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے حضرت علیؓ کے سامنے ملک شام کا تذکرہ برے الفاظ میں کیا اور یہ بھی کہا کہ اے امیر المومنین اہلِ شام پر لعنت کیجئے، تو آپ نے جواب میں فرمایا: ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ملک شام میں چالیس ابدال ہوتے ہیں جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی جگہ دوسرا متعین فرما دیتے ہیں اور یہ ایسے بابرکت لوگ ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بارش برساتے ہیں اور دشمنوں پر ان کے

---

[1] مشکوۃ ص۵۱۴

[2] مرقات شرح مشکوۃ ج:۱۱،ص۶۶ مطبوعہ ملتان

[3] مشکوۃ ص۵۸۲ فصل ثالث

ذریعہ غلبہ ہوتا ہے اور انکے ذریعہ سے اہلِ شام سے عذاب دور کر دیا جاتا ہے۔ [1]

(۴) ملک شام کے سلسلہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی صاحب مشکوٰۃ نے بخاری کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اللهم بارك لنافى شامنا اللهم بارك لنافى يمننا۔ [2]

ترجمہ: اے اللہ ہمارے ملکِ شام میں برکت عطا فرما اور ہمارے یمن میں برکت دے۔

حسن اتفاق اور حضرت معاویہؓ کی خوش نصیبی ہے کہ اس ملک شام میں ایک لمبے زمانے تک ان کو امارت اور خلافت کرنے کا خوشگوار موقع نصیب ہوا، حضورﷺ کے قول کی تعبیر اور سابقہ کتبِ الٰہیہ کی بشارت کا ایک حصہ حضرت معاویہؓ بنے۔

ان شہادتوں کی روشنی میں اس غلط نظریہ اور فاسد سوچ کی تردید بھی ہو جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

وہ خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انھوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا، بلکہ وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بن گئے تھے۔

مذکورہ شواہد اور تائیدات کی روشنی میں یہ نظریہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ واقعات کے بھی خلاف ہے، ان احادیث کے مضمون سے بھی متصادم ہے جن میں سیدنا حضرت معاویہؓ کی خلافت و امارت کے متعلق اشارہ پایا جاتا ہے اور فن حدیث و تاریخ کے بڑے بڑے معتبر اور محتاط علماء کی تحقیق کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے اہلِ ایمان کی دینی ذمہ داری ہے کہ صحابہ کرامؓ اور رشتہ دارانِ رسولؐ سے بدظنی کے بجائے حسنِ ظن قائم کریں کیا قرآن و حدیث سے ثابت مقامِ صحابہؓ، رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں اور بشارتوں کے بجائے یعقوبی، مسعودی اور طبری وغیرہ کی جھوٹی روایتوں اور ان کی اتباع کرنے والے

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۸۳، ۵۸۲ باب ذکر اہل الیمن [2] مشکوٰۃ ص ۵۸۲

دانشوران ملت کی بغض معاویہؓ سے لبریز معاندانہ تحقیقات پر ہی بھروسہ کیا جائے گا۔
اس سلسلہ میں شیخ شہاب الدین خفاجیؒ صاحب نسیم الریاض کا قول بھی سامنے رکھیں
شاید اطمینان ہو جائے اور بغض معاویہؓ کے مرض میں افاقہ ہو۔ شیخ خفاجیؒ فرماتے ہیں:

فنال الخلافة ای صار خلیفة و سلطانا مالکا للبلاد بدعائه صلی الله علیه وسلم۔ [۱]

یعنی حضرت معاویہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مبارکہ کی برکت سے
خلافت حاصل ہوئی اور وہ زبردستی خلیفہ نہیں بنے تھے۔

اس سلسلہ میں گذشتہ دور کے چند معتبر علماء کی تحریریں بغور پڑھ لیں اس سے
اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ سے لڑ کر خلافت حاصل کرنا چاہتے تھے
یا کسی شرعی غرض کے تحت یہ لڑائی ہوئی تھی۔

کتاب المسامرہ میں ہے:

وماجری بین معاویة وعلی رضی الله عنهما من الحروب بسبب طلب تسلیم قتلة عثمان رضی الله عنه لمعاویة ومن معه لمابینهما من بنوة العمومة کان مبنیا علی الاجتهاد من کل منهما لامنازعة من معاویة رضی الله عنه فی الامامة۔ [۲]

یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو جنگیں ہوئیں اس کا سبب
قاتلین عثمانؓ کا مطالبہ تھا کیونکہ حضرت معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی تھے۔
یہ لڑائیاں ان دونوں حضرات کے اجتہاد پر مبنی تھیں نہ کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے
امامت کے بارے میں کوئی کشمکش تھی۔

[۱] نسیم الریاض ج:۳، ص ۱۲۶، طبع استنبول [۲] مکتبہ اثریہ جلد دوم ص ۱۵۸

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں اور علامہ زبیدی اس کی شرح ج:۲،ص ۲۲۳ میں فرماتے ہیں:

ومن هذاماجری من الحروب والخلاف بین معاویة بن ابی سفیان وعلی بن ابی طالب رضی الله عنهما فی صفین لم یکن عن غرض نفسانی وحظوظ شهوة بل کان مبنیاعلی الاجتهاد الذی هواستفراغ الوسع لتحصیل ظن بحکم شرعی لامنازعة من معاویة رضی الله عنه وفی تحصیل الامامة۔

ترجمہ: اور اسی میں سے حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگیں تھیں یہ کسی نفسانی غرض اور خواہشِ نفس کا نتیجہ نہیں تھیں بلکہ اس اجتہاد پر مبنی تھیں جس میں کسی حکمِ شرعی کے حصول کے لئے کوشش صرف کی جاتی ہے نہ کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے کسی کشمکش اور حصولِ امامت کا شاخسانہ تھیں۔

نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہؓ کی یہ لڑائی قاتلین عثمانؓ سے قصاص کے مطالبہ پر ہوگئی تھی، وہ لڑکر نہ تو خلافت حاصل کرنا چاہتے تھے نہ ہی کسی اور وجہ سے ان میں کوئی پرخاش اور کشمکش تھی۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

لم یکن ذالك عن نزاع فی حقیة امارته بل کان عن خطأ فی اجتهادهم۔ [1]

یعنی حضرت علیؓ کی خلافت وامارت میں کسی نزاع اور اختلاف کی وجہ سے یہ لڑائیاں نہیں ہوئیں بلکہ یہ ان صحابہ کرامؓ کی اجتہادی غلطی تھی۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں:

[1] شرح فقہ اکبر ص ۷۸

ومن اعتقاد اهل السنة والجماعة ان ماجرىٰ بين معاوية وعلى رضى الله عنهما فلم يكن لمنازعة معاوية لعلى فى الخلافة للاجماع على حقيتها العلى كمامر فلم تهج الفتنة بسببها وانما هاجت بسبب ان معاوية ومن معه طلبوا من على قتلة عثمان اليهم لكون معاوية ابن عمه۔

ان عبارات کا حاصل بھی یہی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے جو جنگ کی وہ اس لئے نہ تھی کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا تھا اور وہ خود خلیفہ ہونا چاہتے بلکہ یہ جنگ صرف اس وجہ سے ہوئی کہ قاتلین عثمانؓ حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے اور حضرت معاویہؓ ان کو طلب کرتے تھے کیونکہ یہ حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ اس رشتہ سے ان کو قصاص کا مطالبہ کرنے کا حق تھا۔

حضرت معاویہؓ سے خود منقول ہے انھوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ علیؓ مجھ سے افضل ہیں اور مجھ سے زیادہ مستحق خلافت ہیں اور میرا ان سے اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ میں ہے۔ اگر وہ خونِ عثمانؓ کا قصاص لے لیں تو اہلِ شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلے میں ہوں گا۔ [1]

سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر یہ چند دلائل پیش کر دیئے ہیں بغور ان کا مطالعہ کیا جائے اور حضرت معاویہؓ کی خوش نصیبی اور خوش بختی کو دیکھا جائے۔ شرفِ صحبت، شرفِ قرابت، شرفِ کتابت وحی، دعائے نبوت، خلافت و امارت کے لئے بشارات رسالت کیا یہ ساری فضیلتیں اور شرافتیں ان کے حق میں ثابت نہیں ہیں اس کے باوجود اگر ان کی فضیلت کا انکار کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عین

[1] البدایہ والنہایہ ج: ۸ ص ۱۲۹

دوپہر میں اگر کوئی انسان دن کے ہونے کا انکار کردے تو اس کی عقل وخرد پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے اور نہ ماننے کی قسم کھانے والے کو آج تک کون قائل کر سکا ہے۔

## حضرت معاویہؓ کی صحابیت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقینی طور پر صحابی ہیں اور محدثین نے بڑے صحابہ میں ان کو شمار کیا ہے۔ یہ اتنی مشہور بات ہے کہ اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس کے باوجود حاسد معاندین، متعصب واعظین اور موجودہ دور کے بزعمِ خود محققین کے اطمینانِ خاطر کے لئے عرض کردوں کہ وہ امام بخاریؒ کی تاریخ کبیر ج: ۴،ص ۳۶۲۔ ابن سعد کی طبقات ج: ۷،ص ۱۲۸۔ ابن الاثیر کی اسد الغابہ ج: ۴،ص ۳۵۸۔ ابن عبدالبر کی استیعاب ج: ۲ص ۲۵۳۔ حافظ ذہبی کی تجرید اسماء الصحابہ ص ۸۹ اور تذکرۃ الحفاظ ص ۴۴، حافظ ابن حجر کی اصابہ ج: ۶ ص ۱۲، اور فتح الباری ۷/۸ علامہ عینی کی عمدۃ القاری ج: ۱، ۴۳۴۔ شیخ علی متقی کی کنز العمال ج: ۶ ص ۱۹۰ اور تاریخ ابن خلدون ج: ۲،ص ۱۸۸ وغیرہ دیکھ لیں علمی دنیا کی ان معتبر ومستند شخصیات کے علاوہ تمام قابلِ ذکر محدثین ومؤرخین نے حضرت معاویہؓ کے صحابی ہونے کی صراحت کی ہے۔

امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ نے فرمایا کہ حضرت معاویہؓ نے عشاء کے بعد وتر کی ایک رکعت پڑھی، وہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک غلام بھی تھے، وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو آپؓ نے فرمایا کوئی اعتراض کی بات نہیں، فانه قد صحب رسول الله صلی الله علیه وسلم [1] (یعنی وہ حضورؐ کے صحابی ہیں)

---

[1] بخاری ج: ۱،ص ۵۳۱

علامہ نوویؒ نے شرح مسلم باب فضائل الصحابہؓ میں ذکر کیا ہے:

اما معاویۃ رضی اللہ عنہ فھو من العدول الفضلاء و الصحابۃ النجباء۔

حضرت معاویہؓ اصحاب عدل وفضل اور برگزیدہ وپسندیدہ صحابہ میں سے ہیں۔ [1]

قاضی عیاضؒ نے شفا میں نقل کیا ہے کہ حضرت معافی بن عمران (جو حضرت سفیان ثوریؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ کے شیوخ میں سے ہیں) فرماتے ہیں کہ: معاویۃ صاحبہ وصھرہ و کاتبہ وامینہ علی وحی اللہ عزوجل۔ یعنی حضرت معاویہ حضور کے صحابی ہیں، برادر نسبتی ہیں، آپؐ کے کاتب ہیں اور وحی الٰہی کے امین ہیں۔

قاضی عیاضؒ نے حضرت امام مالکؒ کا فتویٰ نقل کیا ہے، جس کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں درج کیا ہے، فرماتے ہیں:

من شتم احدا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر او عمر او عثمان او معاویۃ او عمرو بن العاص فان قالوا کانوا علیٰ ضلال و کفر قتل وان شتم بغیر ھذا من مشاتمۃ الناس نکل نکالا شدیدا۔ [2]

یعنی جو شخص نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے کسی ایک صحابی حضرت ابوبکر وعمر وعثمان، معاویہ یا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے حق میں کہے کہ یہ حضرات کفر اور گمراہی پر تھے تو اسے قتل کیا جائے لیکن اگر اس لفظ کے بغیر گالی دے اور سب وشتم کرے تو اس کو سخت سزا دی جائے گی۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان یکے از اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب فضیلت در زمرۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین زنہار در حق او سوئے ظن نہ کنی

---

[1] نووی شرح مسلم ج: ۲ص ۲۷۲ [2] شفا ج: ۲ ۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول، حصہ چہارم مکتوب ۲۵۱، ج: ۲ص ۶۷ تا ۶۹ مطبوعہ نور کمپنی لاہور۔

وورطہ سب اونہ افتی تا مرتکب حرام نشوی۔ [1]

یعنی معلوم ہونا چاہئے کہ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ہیں اور بڑی فضیلت کے حامل صحابہ میں شامل ہیں، خبردار، معاویہؓ کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور سب وطعن میں پڑ کر حرام کام کا ارتکاب نہ کرنا۔

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"معاوية بن ابی سفيان الاموی کاتب وحی رسول الله ﷺ اسلم يوم الفتح وصحب النبی ﷺ ....وكان صحابيا جليلاشجاعا شهد له ابن عباس بانه فقيه كمافی صحيح البخاری"۔ [2]

یعنی حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان اموی کاتب وحی تھے، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی....وہ ایک بڑے صحابی ہیں، شجاع ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے گواہی دی ہے کہ وہ فقیہ ہیں جیسا کہ بخاری میں ہے۔

علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں:

فمنها شرف الاسلام وشرف الصحبة وشرف النسب وشرف المصاهرة۔

یعنی حضرت معاویہؓ کے فضائل میں سے یہ ہے کہ ان کو اسلام اور رسول اللہؐ کے صحابی ہونے کے علاوہ نسب اور مصاہرت کا شرف بھی حاصل ہے۔ [3]

یہی علامہ ابن حجر مکیؒ صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں:

ولايجوز الطعن فی معاوية لانه من كبار الصحابة۔(ص ۱۳۳)

---

[1] ازالۃ الخفا ص ۱۳۶ [2] مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۳۵ [3] تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان ص ۱۱ از امام اہلسنت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ)

یعنی حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں طعن وتشنیع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بڑے درجہ کے صحابہ میں شامل ہیں۔

امت کے اکابر، علم وعمل کے پہاڑ، استناد واعتبار کے حامل علماء ومحدثین بشمول امام بخاری، امام ترمذی رحمہم اللہ سب کے سب حضرت معاویہؓ کی صحابیت کا ذکر صراحت کے ساتھ کررہے ہیں، لیکن خودساختہ محققین حضرت معاویہؓ کو جماعت صحابہ سے نکالنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگارہے ہیں اور اپنی تمام تر علمی (سطحی) صلاحیتوں کو اس منفی پروپیگنڈے پر صرف کررہے ہیں کہ صحابہ تو مرتد بھی ہوئے ہیں اور بعض صحابہ کو حوضِ کوثر سے ہٹادیا جائے گا نیز صحابی وہ بھی تھے جو حضور کی مجلسوں میں بیٹھتے اور آپ کے ساتھ نمازیں ادا کرتے تھے۔ آخر ان داناؤں کو کون سمجھائے کہ ایسے لوگ صحابی ہی کب ہیں اور کیا حضرت معاویہؓ اسی درجہ کے صحابی تھے؟ جو باور کرایا جارہا ہے۔ ع

بریں عقل ودانش بباید گریست

## کیا کوئی صحابی مرتد ہوا؟

اگر صحابی کی تعریف پیش نظر رہے تو اس سوال کا جواب مل جائے گا۔ جو لوگ مرتد ہوگئے وہ شرعی، عرفی اور اصطلاحی طور پر صحابی نہیں ہیں۔

صحابی کا لفظ صحبۃ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں "ساتھی ہونا" یہ لغوی معنی ہیں۔ قرآن کریم میں لفظ "صاحب" لغوی معنی میں آیا ہے۔ جیسے: اذقال لصاحبه لاتحزن، قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون، اذ قال لصاحبه وهو یحاوره وغیرہ۔ لغوی معنی کے اعتبار سے اس کا استعمال عام ہے۔ ہر ساتھی کو صاحب کہہ سکتے ہیں، مومن کو بھی کافر کو بھی۔ پھر لفظ "صحابی" اصطلاح کے ماتحت آگیا اور دینی کتابوں میں یہ

اصطلاح عام ہو گئی کہ اس لفظ سے وہی معنی مراد ہوں گے جو اصطلاح میں مقرر ہو چکے ہیں۔ جیسے لفظ صوم وصلوٰۃ اور حج جب بولا جاتا ہے تو اس کے وہی معنی مراد ہوتے ہیں جو اصطلاحی ہیں۔ لغوی معنی اسکے دوسرے ہیں۔ ''صوم'' کے لغوی معنی ''رک جانا''۔ ''صلوٰۃ'' کے معنی ''دعا، جلنا'' اور ''حج'' کے معنی ''ارادہ کرنا''۔ اصطلاحی اور لغوی معنی اگرچہ مادہ کے اعتبار سے ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں لیکن اصطلاحی معنی میں کچھ زیادتی ہو جاتی ہے۔ مثلاً صوم لغت میں صرف رک جانے کے معنی میں ہے لیکن جب اصطلاح میں یہ لفظ آیا تو اس کے معنی ہوئے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رک جانا۔

اسی طرح لفظ صحابی میں بھی ''ساتھی'' کے معنی کے علاوہ یہ بات زائد ہے کہ جس نے مسلمان ہو کر حضورؐ سے شرف صحبت حاصل کیا اور اسلام ہی پر وفات پائی، وہ صحابی ہے۔ چاہے یہ شرف صحبت تھوڑی ہی مدت کا ہو۔

علامہ نووی شرح مسلم باب فضل الصحابۃ میں فرماتے ہیں:

ان الصحیح الذی علیہ الجمھور ان کل مسلم رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولو ساعۃ فھو من الصحابۃ۔

صحابی کی تعریف میں صرف مومن ہونا شرط ہے۔ خدانخواستہ اگر کسی صحابی سے گناہ کبیرہ ہو جائے تو وہ صحابیت سے خارج نہ ہوگا۔ اس لئے کہ جب گناہ کبیرہ کا ارتکاب ایمان سے خارج نہیں کرتا تو صحابیت سے کیسے خارج کردے گا۔ بعض حضرات سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوا لیکن وہ صحابہ کی فہرست سے خارج نہ ہوئے۔ تمام محدثین اور مورخین انھیں صحابی جانتے اور لکھتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ایمان لایا، حضورؐ سے ملاقات کی اور ایک زمانہ ایمان پر قائم بھی

رہا پھر کافر ہو گیا اور کفر پر موت ہوئی تو اس کو صحابی کہنا، کہلوانا، صحابی سمجھنا اور سمجھانا صحیح نہیں ہے۔ چاہے وہ حضورؐ کے زمانہ میں ہی کافر ہو گیا ہو یا آپؐ کے وصال کے بعد کفر اختیار کیا ہو۔ اس لئے صحابیت کی پہلی شرط ایمان ہے اور جب ایمان ہی نہیں تو صحابیت کہاں؟

لہٰذا معاندین صحابہ کا یہ کہنا کہ بعض صحابہ مرتد ہو گئے تھے اور کھینچ تان کر ان میں حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ کو لانا بد دینی، خبثِ باطن اور تعصب و جہالت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ اس کے لئے بخاری شریف کی اس حدیث سے استدلال کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا جس میں آیا ہے کہ:

انا فرطکم علی الحوض ولیرفعن رجال منکم ثم لیختلجن دونی فاقول یارب اصحابی فیقال انك لاتدری مااحدثوا بعدك ۔ [1]

یعنی میں حوضِ کوثر پر ہوں گا تو کچھ لوگ میرے ساتھ ہوں گے لیکن ان کو مجھ سے دور کر دیا جائے گا، میں کہوں گا اے میرے پروردگار! یہ تو میرے صحابہ ہیں، تو مجھ سے کہا جائے گا، آپ نہیں جانتے انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔

اس مضمون کی کئی احادیث بخاری میں مختلف الفاظ کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ کون لوگ ہوں گے جن کو حوضِ کوثر سے ہٹا دیا جائے گا؟ اس کا مصداق متعین کرنے میں شراح حدیث نے بڑا تفصیلی کلام کیا ہے اور متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کا قول اس سلسلے میں زیادہ صحیح اور بہتر ہے اس لئے کہ قرآن وحدیث میں وارد فضائل صحابہ کی روشنی میں حضرات صحابہ کرامؓ اس کا مصداق نہیں ہو سکتے بلکہ اس کا مصداق منافقین ومرتدین ہیں۔ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۹۷۴ کتاب الحوض

قال النووی قیل هم المنافقون والمرتدون فیجوز ان یحشروابالغرة و التحجیل لکونهم من جملة الامة فینادیهم من اجل السیماالتی علیهم فیقال انهم بدلوابعدك ای لم یموتواعلی ظاهر مافارقتهم علیه قال عیاض وغیره وعلی هذافیذهب عنهم الغرة والتحجیل ویطفأ نورهم ۔ [۱]

یعنی امام نوویؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کا مصداق منافقین ہیں اور وہ لوگ جو وفات نبوی کے بعد اپنے ظاہری اسلام سے پھر گئے، چونکہ یہ لوگ بھی مسلمانوں کے ساتھ دکھاوے کا وضو کرتے تھے اور نماز پڑھتے تھے اس لئے ان کے اعضاء بھی وضو کے اثر سے روشن ہوں گے، ان کی اس علامت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پکاریں گے لیکن جواب دیا جائے گا کہ انھوں نے آپ کے بعد حالت بدل دی تھی یعنی جس حال پر آپ نے ان کو چھوڑا تھا اس حالت پر بھی باقی نہ رہے۔

امام نوویؒ اور ابن حجرؒ کے بقول حوض کوثر سے ہٹائے جانے والے لوگ منافقین اور مرتدین ہوں گے ۔ اس کی تائید قرآن پاک اور خود بخاری شریف میں موجود روایات سے ہوتی ہے۔

سورۃ الحدید میں ارشاد ربانی ہے۔

یوم یقول المنافقون والمنفقت للذین امنوا انظرونانقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فلتمسوانورا۔ [۲]

ترجمہ: جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ وہاں سے روشنی تلاش کرو۔

---

[۱] فتح الباری، ج:۱۱، ص:۳۳۳ [۲] سورۃ الحدید: پ:۲۷، آیت:۱۳

آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت کے دن منافق مومنوں کے ساتھ ہو جائیں گے لیکن ان کو بعد میں علاحدہ کر دیا جائے گا۔

بخاری شریف میں ہے:

انہم ارتدوا علیٰ ادبارہم القھقری۔

انہم ارتدوا بعدك علی ادبارہم القھقری

والله مابرحوا یرجعون علیٰ اعقابہم [1]

یعنی یہ لوگ (اپنے ظاہری) دین سے پھر گئے تھے۔

بخاری کے محشی لکھتے ہیں:

قال الکرمانی رحمہ الله ہم اما المرتدون و اما العصاۃ۔(عینی)

یعنی امام کرمانی کا قول ہے کہ (وہ حوض کوثر سے دور کئے جانے والے) یا تو مرتد ہیں یا نافرمان لوگ۔

محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ بحوالہ بخاری لکھتے ہیں:

عن قبیصۃ قال ہم الذین ارتدوا علیٰ عہد ابی بکر فقاتلہم ابو بکر حتیٰ قتلوا و ماتوا علی الکفر۔ [2]

یعنی قبیصہ نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مرتد ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جہاد کیا اور وہ کفر کی حالت میں مقتول ہوئے۔

علمائے کرام کے ان اقوال سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو زمانۂ نبوت میں بھی مسلمان نہ تھے صرف ظاہری اسلام کو اپنائے ہوئے تھے اور وفات نبوی کے بعد اس کو بھی چھوڑ دیا۔ اس لئے مذکورہ حدیثِ بخاری کو صحابہ کرامؓ پر چسپاں

---

[1] بخاری ج:۲ ص ۹۷۵ تا ۹۷۴

[2] عظمت صحابہؓ ص ۱۵

کرنا کھلی ہوئی بد دیانتی، صحابہؓ سے بغض اور اس مقدس جماعت کے سلسلے میں امت کے متفقہ فیصلہ سے بغاوت ہے۔

علامہ ابن حجر مکیؒ نے فتح الباری میں حافظ خطابی کا قول نقل کیا ہے جو اس مسئلہ میں قول فیصل ہے۔ خطابیؒ فرماتے ہیں:

لم یرتد من الصحابة احد وانما ارتد قوم من جفاة الاعراب من لا نصرة له فی الدین وذلك لا یوجب قدحا فی الصحابة المشهورین ویدل قوله أصیحابی بالتصغیر علی قلة عددهم۔ [1]

حضرات صحابہ میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا۔ بعض گنوار اعرابی جن کا دین کی نصرت میں کوئی دخل نہیں تھا (صرف زبان سے کلمہ پڑھ لیا تھا وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے) اس سے مشہور صحابہ کرام کے بارے میں کوئی شک وشبہ پیدا نہیں ہوتا اور خود حدیث کے الفاظ میں ان کو اصحابی کے بجائے اُصَیْحَابی بصیغۂ تصغیر لانا بھی اس کی طرف مشیر ہے یعنی چند صحابہ۔

اسکے ساتھ ساتھ ذرا بخاری شریف میں موجود ان روایات کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) لیردن علی اقوام اعرفهم ویعرفوننی ثم یحال بینی وبینهم ---

(۲) فاقول انهم منی----- [2]

(۳) سیوخذ ناس دونی فاقول یارب منی ومن امتی -

(بخاری جلد ۲ ص ۹۷۵)

ان تینوں روایتوں میں دور دور تک کہیں ''اصحابی'' کا لفظ نہیں ہے۔ پہلی حدیث میں اقوام، دوسری میں انهم منی اور تیسری میں من امتی کا لفظ ہے۔

---

[1] فتح الباری ج: ۱۱ ص ۳۳۳ [2] بخاری جلد ۲ ص ۹۷۴

لہٰذا روایت کا یہ حصہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو ''میرے اصحاب'' کہیں گے مشکوک ہوا کیونکہ ان تین روایات میں ''اصحابی'' کے بجائے دوسرے الفاظ ہیں۔

مذکورہ دلائل کی روشنی میں معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کے عمومی فضائل بھی ہیں اور خصوصی فضائل بھی۔ کوئی معاند نہ مانے اور امت کے متفقہ فیصلہ سے ہٹ کر اپنی الگ رائے قائم کرے تو وہ اپنی ضلالت وگمراہی پر خوش رہے، پوری امت کو گمراہ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ نہ ماننے کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ورنہ حضرت معاویہؓ کے مقام ومرتبہ اور فضیلت کا اعتراف بڑے بڑے صحابہؓ نے بھی کیا، تابعین اور تبع تابعین بھی ان کی عظمت کے معترف رہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کتبِ احادیث میں محتاط ترین محدثین اور اکابر علماء نے ان کی حدیثیں اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے سن کر ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) حدیثیں انھوں نے روایت کیں جو صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، مسند احمد، طحاوی، دارقطنی، ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ وغیرہ میں موجود ہیں۔ حدیث کے کسی بھی بڑے عالم اور محدث نے ان کی روایات کو قبول کرنے اور اپنی کتابوں میں درج کرنے میں ادنیٰ درجہ کا تامل نہیں کیا۔

ان عظیم الشان فضائل کی روشنی میں کسی کا یہ کہنا ''لم یصح فی فضل معاویۃ شیء'' (کہ حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے) کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ یہ اسحٰق ابن راہویہ کا قول ہے۔ نہ تو فرمان رسول ہے، نہ کسی صحابی کا قول ہے، نہ تابعی کا، اور نہ جمہور امت اس کی تائید کرتے ہیں۔ یہ ان کا ذاتی خیال ہے لہٰذا شاذ کے درجہ میں ہے۔

علامہ سیوطیؒ اور حافظ ابن عساکر کا قول سامنے رکھیں وہ کس طرح وضاحت کے

ساتھ حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں صحیح حدیث کی موجودگی ذکر کررہے ہیں:

قال السیوطی الشافعی اصح ماورد فی فضل معاویۃ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان حدیث ابن عباس انہ کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجہ مسلم فی صحیحہ۔ [۱]

یعنی علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی فضیلت میں صحیح ترین حدیث وہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کی ہے کہ وہ (حضرت معاویہؓ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

اور علامہ ابن عساکر بھی اسی غلط فہمی کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

واصح ماروی فی فضل معاویۃ حدیث ابی حمزۃ عن ابن عباس انہ کان کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجہ مسلم فی صحیحہ۔ [۲]

یعنی حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں صحیح ترین حدیث ابوحمزہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ وہ (حضرت معاویہؓ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

مسلم شریف میں موجود عبداللہ بن عباسؓ کی کتابت وحی سے متعلق روایت بالکل صحیح ہے اور فضیلت کا بہترین ثبوت ہے۔

اسی طرح علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں انہیں روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: واکتفینا بما اوردناہ من الاحادیث الصحاح والحسان والمستجادات عما سواھم من الموضوعات والمنکرات۔

---

[۱] تنزیہ الشریعہ لابن اسحاق کنانی ج:۲ ص:۸

[۲] تاریخ ابن عساکر ۱۰۶/۵۹، ترجمہ معاویہ

یعنی ہم نے (فضیلت معاویہؓ کے مسئلہ میں) موضوع اور منکر روایات سے بچتے ہوئے صحیح، حسن اور جید روایات پر اکتفا کر کے ان کو بیان کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر میں جہاد کرنے والے پہلے لشکر کے سلسلے میں جنت کی خوشخبری سنائی اس لشکر کے امیر خود حضرت معاویہؓ تھے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔

یہ روایات تو صحیح درجہ کی ہوئیں، بعض روایات حسن درجہ کی بھی ہیں جیسے امام ترمذی کی روایت جو دعائے نبوی کے ذیل میں گذر چکی ہے اور حسن روایت مقبول روایت کی ایک قسم ہے۔ علماء وفقہاء کا فیصلہ ہے کہ حسن روایات سے شرعی اور فقہی مسائل ثابت ہوتے ہیں تو حضرت معاویہؓ کی فضیلت بھی ان سے ثابت ہو جائے گی۔

لہذا حضرت معاویہؓ کی فضیلت کے سلسلہ میں صحیح روایت نہ ہونے کی بات کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتی ان دلائل اور علماء امت کے اقوال اور جمہور کے نظریہ کے خلاف یہ قول بظاہر کسی معاند اور دشمن معاویہؓ کا ہو سکتا ہے۔ اس کو معتبر اور مستند بنانے کے لئے ابن راہویہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ یہ چالاکیاں اور دست درازیاں دشمنان صحابہؓ کی طرف سے خوب ہوئی ہیں۔ بے جا دشمنی اور مفرطانہ محبت کے کارخانوں میں وضع حدیث کا کاروبار خوب چلا ہے جو اہلِ علم سے مخفی نہیں۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ اسحاق بن راہویہ کا قول ہے اور بعض اہلِ علم جیسے امام ابوحفص الموصلی (المغنی عن الحفظ والکتاب ص۱۶۵) امام ابن قیمؒ (المنار المنیف ص۱۱۶) حافظ ابن حجرؒ (فتح الباری ج:۷ص۱۰۴) ملاعلی قاری (الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص۴۷۷) امام سیوطی (اللآلی المصنوعۃ ج:۱ص۳۸۸، امام شوکانی (الفوائد المجموعۃ ص۴۰۷) وغیرہ نے اس کو ذکر کیا ہے لیکن اس کو رد بھی کر دیا ہے۔ جیسے

حافظ ابن عساکر، امام سیوطیؒ اور علامہ ابن کثیر کا قول گزرا۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: "قلت ان الترمذی له احادیث من سننه فیها ذکر لمناقب معاویة ماهو معروف فلیراجع۔ [1]

یعنی سنن ترمذی میں فضائلِ معاویہؓ کی بہت سی احادیث مذکور ہیں۔

اس کے علاوہ اسحاق بن راہویہ ہوں یا دوسرے علماء سب کہتے ہیں کہ جماعت صحابہؓ کے بارے میں عمومی طور پر جو فضائل آئے ہیں ان میں حضرت معاویہ بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ اسحاق بن راہویہ کا یہ قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت ومراده ومراد من قال ذلك من اهل الحديث، انه لم يصح حديث في مناقبه بخصوصه والا فماصح عندهم في مناقب الصحابة علىٰ وجه العموم ومناقب قريش فمعاوية داخل فيه۔ [2]

یعنی اسحاق بن راہویہ کے خیال میں خصوصی طور پر حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ورنہ عمومی طور پر جو تمام صحابہ اور قریش کے فضائل بیان ہوئے ہیں ان میں حضرت معاویہؓ کے نزدیک بھی داخل ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ایک ایمان والے کو (چاہے وہ حضرت معاویہؓ کی خصوصی فضیلت کا قائل ہو یا نہ ہو) اسحاق بن راہویہ کے اس قول کے ساتھ اہلِ علم کا یہ قول بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ "لا یصح فی ذم معاویة حدیث و کل حدیث ورد فی ذمه فهو کذب"۔ یعنی حضرت معاویہؓ کی مذمت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے جو بھی حدیث ان کی مذمت میں ہے وہ جھوٹی ہے۔ [3]

اس لئے اسحاق بن راہویہ کے اس مقولہ سے (بالفرض وہ صحیح بھی ہو) تو اتنا خوش

---

[1] (الفوائد المجموعہ ص ۴۰۷) [2] المنار المنیف ص ۱۱۶

[3] دیکھئے المنار المنیف، ص ۱۱۷، الاسرار المرفوعہ ص ۴۷۷، اللؤلؤ المرصوع ص ۱۴۱

ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

## حضرت معاویہؓ اور امام بخاریؒ

حضرت امام بخاریؒ نے حضرت امیر معاویہؓ سے مروی روایات اپنی صحیح بخاری میں نقل کی ہیں، نیز ان کی فضیلت کے سلسلے میں بھی روایات درج کی ہیں اور حضرت امیر معاویہؓ پر کسی طرح کی کوئی رد وقدح نہیں فرمائی ہے۔ لیکن بعض حضرات کو جو عیوب تلاش کرنے کے عادی ہیں ان کو امام بخاریؒ کے طرز پر مزہ آ گیا، امام بخاریؒ کو جھٹ سے حضرت معاویہؓ کے خلاف کھڑا کر دیا اور کہنے لگے دیکھو اگر معاویہؓ کی کوئی فضیلت ہوتی اور وہ صاحب منقبت صحابی ہوتے تو امام بخاری اپنے باب المناقب میں جہاں مختلف صحابہ کرامؓ کے لئے مناقب اور منقبت کا عنوان قائم کیا ہے امیر معاویہؓ کے لئے بھی یہی عنوان تجویز کرتے لیکن انھوں نے بجائے مناقب کے "ذکر معاویہ" کا باب قائم کیا ہے۔

یہ "دور کی کوڑی" اور شبہ کوئی آج کے دور کا نہیں ہے۔ اس شبہ کا جواب دسویں صدی ہجری کے محدث اور نامور عالم علامہ ابن حجر مکیؒ نے تطہیر الجنان میں دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ مرض پرانا ہے جس میں آج پندرہویں صدی ہجری کے محققین اور بعض بخاری پڑھانے والے بھی مبتلا ہیں۔ اگر کہا جائے کہ وہ اس جواب اور اس کے متعلقات سے واقف نہیں تو ان کے علمی بھرم اور ہمہ دانی پر شک ہونے لگتا ہے اور اگر واقف ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بغض معاویہؓ کے مرض میں مبتلا رہنے میں ہی اپنی عافیت تصور کرتے ہیں۔

اس شبہ کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ اس مرض سے بالکل پاک وصاف ہیں، ان کے دل میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے کسی طرح کا کوئی تکدر نہیں ہے نہ ہی انھوں نے بغض معاویہؓ کے جذبے سے متاثر ہو کر یہ انداز اختیار کیا ہے نہ ہی ان کے پیش نظر اس طرح کا کوئی خیال تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ حضرت معاویہؓ کی مرویات سے

گریز کرتے اور اپنی بخاری کو (جوامع الکتب بعد کتاب اللہ ہے) ان کی مرویات سے پاک رکھتے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بخاری شریف میں متعدد روایات امام بخاریؒ نے حضرت معاویہؓ سے لی ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ نے کتاب المناقب میں یہ جو انداز اختیار کیا ہے وہ صرف تفنن کلام ہے جو فصحاء و بلغاء کے کلام میں رائج ہی نہیں بلکہ اس کو عمدہ مانا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک عنوان بدل کر دوسرا عنوان اختیار کیا جائے اور ایک ہی لفظ کے بجائے اس کو دوسرے لفظوں میں تعبیر کیا جائے، غائب کو حاضر اور حاضر کو غائب کے درجہ میں اتار کر گفتگو کی جائے۔ امام بخاریؒ نے بھی یہی کیا ہے کہ مناقب اور منقبت کے باب میں عنوان بدل کر منقبت کے بجائے اسی لفظ کو "ذکر" سے تعبیر کر دیا ہے۔

بخاری شریف کتاب المناقب کھول کر دیکھیں اس میں متعدد صحابہ کرامؓ جو صاحب منقبت و فضیلت ہیں اور اس میں کسی قسم کا کوئی تردد اور اختلاف نہیں مگر امام بخاری نے ان کی منقبت کو بھی "ذکر" سے ہی لکھا ہے۔ مثلاً

ذکر طلحه بن عبیدالله

ذکر اسامه بن زید

ذکر جریر بن عبدالله البجلی

ذکر عباس بن عبدالمطلب

ذکر حذیفة بن یمان

ذکر هند بنت عتبه

اسی انداز پر "ذکر معاویه" بھی ہے۔

یہ مذکورہ اصحاب گرامی قدر صاحب المناقب والفضائل ہیں۔ کیا کوئی بتیس

دانت والا محقق اور بخاری پڑھانے والا کہہ سکتا ہے کہ ان صحابہ کرامؓ کی کوئی منقبت اور فضیلت نہیں ہے اور امام بخاری پر ان حضرات کے سلسلہ میں بھی وہی شبہ کیا جاسکتا ہے جو حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں بڑی بے باکی کے ساتھ کیا جارہا ہے۔

اس کے علاوہ امام بخاریؒ کے اس طرز (ذکر معاویہؓ) سے ''منقصت'' کے معنی کیوں پیدا کر لئے گئے یہ بھی غور کرنے کی بات ہے۔ اور جب یہ غلطی کسی پڑھے لکھے انسان کی طرف سے کی جائے تو اس پر اور زیادہ حیرانی ہوتی ہے۔ کیا لفظِ ''ذکر'' نقص، برائی اور عیب کے معنی میں ہوتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو قرآن کریم کے انداز پر بھی ان بزعم خود اہلِ علم کو اعتراض کرنا چاہئے۔ کیا ان کی نظر قرآن کریم کی ان متعدد آیات پر نہیں گئی جن میں ''ذکر'' کا لفظ آیا ہے اور وہ مقامِ مدح میں ہے، مقام نعمت میں ہے۔ مقام احسان میں ہے۔ آخر ان آیات سے کیوں صرف نظر کر لی گئی؟ ذرا قرآن کریم کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ ذکر رحمة ربك عبده زكريا (سورہ مریم: آیت ۲)

۲۔ واذکر فی الکتٰب مریم اذانتبذت من اهلها مکانا شرقیا۔ (مریم: آیت ۱۶)

۳۔ واذکر عبدنا داؤد ذاالاید انه اواب (سورہ ص: ۱۷)

۴۔ واذکرُ عبدنا ایوب ---- انا وجدنا ہ صابرا نعم العبدا نه اواب ۔ (سورہ ص: ۴۱ تا ۴۴)

۵۔ واذکر عبدنا ابراهیم واسحق ویعقوب اولی ایدی والابصارانا اخلصناهم بخالصة ذکری الدار وانهم عندنا لمن المصطفین الاخیار۔ (سورہ ص: ۴۵ تا ۴۷)

۶۔ واذکر اسمٰعیل والیسع وذاالکفل وکل من الاخیار۔ (سورہ ص: ۴۸)

پہلی آیت میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہے جن کے اللہ تعالیٰ سے تقرب خاص اور شرف کو ظاہر کرنے کے لئے اضافت تشریفی کے ساتھ "عبدہ" کہا گیا۔

دوسری آیت میں حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کا ذریعہ بنایا جو ان کے شرف و عظمت کے لئے کافی ہے۔

تیسری آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہے جن کو "ذاالاید" (قوت و ہمت والا) اور "انہ اواب" (اللہ کی طرف بہت رجوع کرنیوالے) کہہ کر ان کے شرف و بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے "عبدنا" (میرے بندے) کہا گیا۔

چوتھی آیت میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے جن کے امتحان اور مصائب کو ذکر کرنے کے بعد ان کے صبر و استقامت کا بیان ہوا اور آخر میں "صابرا" (صبر کرنے والے) "نعم العبد" (کیا اچھے بندے) اور "اواب" (بڑے رجوع کرنے والے) کہہ کر اللہ تعالیٰ نے ان کی خوب تعریف فرمائی ہے۔

پانچویں آیت میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر ہے جن کی تعریف میں اللہ تعالیٰ "اولی الایدی والابصار" فرماتا ہے (ہاتھوں والے اور آنکھوں والے۔ یعنی وہ قوت عملی کے بھی مالک تھے اور قوت علمی کے بھی مالک تھے) ان کی خاص اور خالص عبدیت اور تکریم و تشریف کو ظاہر کرنے کے لئے عبدنا (ہمارے بندے) کہا اور آخر میں بتایا کہ "یہ لوگ ہمارے یہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں"۔

چھٹی آیت میں حضرت اسمٰعیل کے ساتھ الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر ہے جن کو "سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں" کہہ کر ان کے مقام عظمت کو بیان

فرمایا ہے۔

اسی طرح سورہ مریم کی متعدد آیات پڑھ جایئے واذکر فی الکتٰب ابراهیم انه کان صدیقا نبیا۔ واذکر فی الکتٰب موسیٰ انه کان مخلصا و کان رسولا نبیا۔ واذکر فی الکتٰب اسمٰعیل انه کان صادق الوعد و کان رسولا نبیا۔ واذکر فی الکتٰب ادریس انه کان صدیقا نبیا و رفعنٰه مکانا علیا۔

یہ آیات (جن میں بڑے بڑے پیغمبروں حضرت زکریا، حضرت داؤد، حضرت ایوب، حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کے ساتھ حضرت مریم کا بھی ذکر ہے) انتہائی مدح کے موقع پر ہیں۔ قرآن کریم کے اس انداز کو ملاحظہ کرنے کے بعد کیا کسی کو اس میں شبہ رہ جائے گا کہ امام بخاریؒ نے "ذکر معاویہؓ" سے ان کے بلند مقام، شرف اور عظمت ہی کو بیان فرمایا ہے نہ کہ ان کی منقصت اور عیب کو ظاہر کیا ہے۔ اہل علم کو اس پر غور کر لینا چاہئے۔ ان آیات کو پڑھنے، پڑھانے والے اور درس و تفسیر کرنے والے حضرات اگر امام بخاریؒ کے اس انداز سے کوئی سبق لے سکیں تو بہتر ہے۔ ورنہ بخاری شریف کی صرف ورق گردانی میدانِ علم کا شہسوار نہیں بنائے گی۔

## حضرت معاویہؓ اور امام نسائی

امام نسائیؒ (ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی) بڑے درجہ کے محدث ہیں۔ آپ کی کتاب نسائی شریف کا صحاح ستہ میں پانچواں مقام ہے۔ بعض حاسدین معاویہؓ آپؒ کے ایک واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے اور اس کو لے کر بہت پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف ہے تو انھوں نے عوام کی ذہنی اصلاح کے لئے حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب میں ''کتاب الخصائص فی فضائل علیؓ'' لکھی، تو کسی نے پوچھا کہ حضرت معاویہؓ کے فضائل میں کوئی حدیث بتائیں اس پر امام صاحبؒ نے کہا: کیا ان کی فضیلت میں ''اللھم لا تشبع بطنه'' (اللہ ان کو شکم سیر نہ کرے) پیش کروں۔ تو سائل خاموش ہو گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ لوگوں نے ان کو مارا اور دمشق کی جامع مسجد سے نکال دیا۔

اس واقعہ کو لے کر بغضِ معاویہؓ کے مریض کہتے ہیں کہ ان کی فضیلت میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے اگر ہوتی تو امام نسائی پیش کرتے۔

اس کا جواب فضائلِ معاویہؓ کے عنوان سے تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ نیز امام نسائیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے اس کا جواب بھی ہو چکا کہ اس سے مذمت کے بجائے منقبت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ امام مسلمؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت معاویہؓ اس بددعا کے مستحق نہ تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بددعا ان کے لئے پاکی ثواب اور رحمت کا باعث ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ امام نسائیؒ حضرت معاویہؓ کے فضائل کے منکر نہیں ہیں کیونکہ وہ حضرت معاویہؓ کو صحابی مانتے ہیں اور وہ تمام فضائل جو صحابہؓ کے حق میں ہیں حضرت معاویہؓ کو بھی اس کا مستحق سمجھتے ہیں اور ان کا کھلا ہوا عقیدہ ہے کہ اگر حضرت معاویہؓ کو مشق ستم بنایا گیا تو دوسرے صحابہ بھی اس کی زد میں آئیں گے اور اس طرح اسلام پر حملہ ہوگا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان سے حضرت معاویہؓ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

''انما الاسلام كدار لها باب فباب الاسلام الصحابة فمن أذى الصحابة انما اراد الاسلام، كمن نقر الباب انما يريد دخول الدار،

قال : فمن اراد معاویة فانما اراد الصحابة۔ تہذیب الکمال (۲۳۹/۱۔۲۴۰)

یعنی اسلام ایک ایسے گھر کے مانند ہے جس کا ایک دروازہ ہو، تو اسلام کا دروازہ صحابہؓ ہیں، جو صحابہؓ کو تکلیف دے گا وہ گویا اسلام کو برباد کر رہا ہے جیسے دروازے کو ٹھوکر مارنے والا گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ آگے فرمایا: جو شخص حضرت معاویہؓ کو تکلیف دینے کا ارادہ کرتا ہے گویا وہ صحابہؓ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کر رہا ہے۔

اس لئے امام نسائیؒ حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں امت کو کف لسان کی تعلیم دے رہے ہیں تاکہ ان سے گزر کر معاملہ آگے تک نہ جائے اور صحابہؓ کی طرف سے بدگمان ہو کر ایک ایمان والا اپنے ایمان کو تباہ و برباد نہ کردے۔ امام نسائی کا عقیدہ حافظ ابوالقاسم ابن عساکر بیان کرتے ہیں:

"وھذہ الحکایة لاتدل علی سوء اعتقاد ابی عبدالرحمٰن فی معاویة بن ابی سفیان وانما تدل علی الکف فی ذکرہ بکل حال۔ [1]

یعنی اس واقعہ کو حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے بارے میں امام نسائی کے بدگمان ہونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا صرف ان کے ذکر سے کف لسان (زبان روکنے) کا اشارہ ہے۔

## حضرت معاویہؓ صحابہؓ کی نظر میں

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، کسی ناگواری کے پیش آجانے پر فوراً تلافی کر لیتے تھے، یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے اور اس پر جنت کی بشارت ہے، وہ تکلفات سے بری تھے، بناوٹی باتوں سے وہ ہمیشہ دور رہتے تھے، جس چیز کو جیسا محسوس کرتے اور دیکھتے ویسا ہی بیان کرتے تھے، حضرت

[1] تہذیب الکمال، ۲۳۹/۱

رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کو اور صحابہؓ نے حضرت معاویہؓ کو خوب خوب دیکھا اور پرکھا تھا، ان کے فہم و ذکا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت و قرابت کا مشاہدہ کیا تھا، رسول اللہ ﷺ کا حضرت معاویہؓ کو دعاؤں سے نوازنا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور فاروق اعظمؓ و عثمان غنیؓ کا ان پر اعتماد کرنا ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ اس لئے ان صحابہ کرامؓ نے کوئی بات اگر حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں کہی ہے تو وہ حق و صداقت پر مبنی ہے اور حضرت معاویہؓ کے لئے یقیناً باعثِ فضیلت ہے کہ صحابہ کرامؓ یہ مقدس جماعت ان کے لئے اچھی رائے رکھتی ہے۔

اس لئے اب ہم یہاں حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے کچھ اقوال ذکر کریں گے جن سے ان کا مقام و مرتبہ متعین ہوگا اور ان کی طرف سے بدظنی سے بچنے اور حسنِ ظن قائم رکھنے کے لئے مشعلِ راہ ہوں گے۔ اس کے بعد تابعین اور علمائے امت کے اقوال پیش کریں گے تاکہ امت کا عمومی رجحان اس سلسلہ میں متعین ہوسکے۔

## حضرت صدیق اکبرؓ کا امیر معاویہؓ پر اعتماد

حضرت عروہ بن زبیرؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت معاویہؓ کے پاس گیا تو انھوں نے پوچھا وہ خصوصی تحریر کہاں ہے؟ حضرت عروہؒ نے کہا کہ وہ میرے پاس ہے۔ اب پر حضرت معاویہؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ تحریر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔ (اس کا ایک واقعہ ہے کہ) حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زبیرؓ کو ایک قطعہ زمین دیا، میں اس کو لکھ رہا تھا اتنے میں حضرت عمرؓ آگئے، حضرت ابوبکرؓ نے وہ تحریر میرے ہاتھ سے لے کر چھپادی، حضرت عمرؓ آئے تو فرمایا: شاید آپ لوگ کسی کام میں مشغول تھے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا ہاں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ چلے گئے (تاکہ اس ضروری کام میں خلل نہ پڑے)

ان کے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے وہ تحریر نکالی، پھر میں نے اس کو مکمل کیا۔[1]
اس واقعہ سے حضرت معاویہؓ کی بہت بڑی مدح اور تعریف ثابت ہوتی ہے کہ خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو امانتدار سمجھ کر ان سے یہ تحریر لکھوائی۔

## حضرت عمرؓ کے فرمودات

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ترغیب دی تھی کہ جب فتنہ و فساد واقع ہو تو شام چلے جائیں اور معاویہؓ کے پاس رہیں۔ ابن ابی الدنیا نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے لوگو! میرے بعد آپس میں اختلاف نہ کرنا اور اگر تم نے ایسا کیا تو سمجھ لو کہ معاویہؓ شام میں ہیں، اگر تم خود رائی کرو گے تو کیا حال ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ جب فتنہ واقع ہو اور خلفائے راشدینؓ کی وفات ہو جانے سے لوگوں میں اختلاف پڑے تو سب لوگ حضرت معاویہؓ کے پاس چلے جائیں اور اس فتنہ کا انتظام ان کے سپرد کر دیں، ان کی رائے نہایت صائب اور تدبیر نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ سب لوگوں کا اس پر اتفاق تھا کہ حضرت معاویہؓ سردارانِ عرب اور عقلائے عرب میں سے تھے اور فتنہ واقع ہونے کے وقت اسی کی رائے صائب ہو سکتی ہے جو سردار ہو، صاحب عقل ہو، صاحب تجربہ ہو۔[2]

حضرت عمرؓ ملکِ شام تشریف لے گئے، حضرت معاویہؓ کو اور انکے لشکر کی کثرت اور جاہ و جلال کو ملاحظہ فرمایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: یہ عرب کا نوشیرواں ہے۔ یعنی باعتبار اپنی عظمت و سلطنت اور جاہ و جلال کے۔[3]

حضرت امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنی وفات سے پہلے

---

[1] بیہقی ۶/ ۱۴۵، المعرفۃ والتاریخ ۳/ ۳۰۷ ۳ [2] تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان ص ۳۲۔ از امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی۔ [3] تنویر الایمان ص ۳۹

فرمایا:

اے اللہ! میں تجھے اپنے شہروں کے حاکموں پر گواہ بناتا ہوں، میں نے ان کو لوگوں پر اس لئے مقرر کیا تا کہ انصاف قائم کریں ،لوگوں کو دین اور اپنے نبی ﷺ کی سنت اور طریقہ بتائیں، مالِ غنیمت ان کے درمیاں تقسیم کریں اور مشکل معاملات کو میرے پاس لائیں۔ ۱

نیز آپؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں نے تمھارے اچھے لوگوں کو منتخب کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ ۲

حضرت فاروقِ اعظمؓ کا یہ طریقہ حاکموں کے انتخاب کے سلسلے میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اب غور کیجئے کہ حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو پورے علاقہ شام کا حاکم بنایا تھا اور کبھی معزول کرنے کی نوبت نہیں آئی، پھر حضرت عثمان غنیؓ نے بھی ان کو اس عہدہ پر برقرار رکھا۔ امام ذہبیؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حسبك بمن يؤمره عمر، ثم عثمان على اقليم ـ وهو ثغر فيضبطه ويقوم به اتم قيام ويرضى الناس بسخائه وحلمه۔ ۳

(حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں) تمھارے لئے اتنا کافی ہے کہ حضرت عمرؓ نے پھر حضرت عثمانؓ نے ان کو ملک (شام) کا امیر وحاکم بنایا جو ایک سرحد تھی جس کو انھوں نے پورے طور پر مضبوط کیا، اس کی ذمہ داریوں کو بخوبی پورا کیا اور لوگوں کو اپنی سخاوت اور بردباری سے خوش رکھا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ولا استعمل عمر قط بل ولا ابوبکر على المسلمين منافقا۔ ۴

---

۱ مسلم شریف: ۲۹۶/۱ حدیث نمبر ۵۶۷

۲ الاموال ص ۱۳-۱۷ ، از ابوعبید القاسم بن سلام

۳ سیر اعلام النبلاء: ۱۳۲/۳

۴ مجموع الفتاویٰ: ۶۵/۳۵

یعنی حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے مسلمانوں پر کسی منافق کو کبھی حاکم نہیں بنایا۔

## حضرت علیؓ کے فرمودات

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہؓ میں عرصہ تک اختلاف رہا اور اختلاف اتنا شدید ہوا کہ جنگ کی نوبت آگئی۔ اس کے باوجود حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات نہیں کہی بلکہ اپنے لوگوں کو اس سے منع بھی فرمایا۔

واقعہ جمل اور صفین کے بعد بعض لوگوں نے اہلِ جمل اور صفین کے سلسلے میں ''کچھ زیادہ باتیں'' کہنی شروع کیں تو حضرت علیؓ نے ان کی اس حرکت کو ناپسند کیا اور منع فرمایا۔ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

قال اسحق بن راھویہ حدثنا ابونعیم حدثنا سفیان عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال سمع علی یوم الجمل و یوم صفین رجلا یغلوفی القول فقال لاتقولوا الا خیر انما ھم قوم زعموا انا بغینا علیھم وزعمنا انھم بغوا علینا فقاتلناھم۔ [1]

یعنی ان (اہلِ جمل و صفین) کے سلسلہ میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہو (کیونکہ یہ ہمارا اور ان کا اجتہادی مسئلہ ہے) انھوں نے سمجھا ہم نے بغاوت کی ہے اور ہم نے سمجھا انھوں نے بغاوت کی ہے، اس لئے ہم لڑ گئے۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارا اور ان کا اختلاف وقتی تھا اس کی وجہ سے ان کی برائی کرنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کا ایک اور فرمان علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں نقل کیا ہے کہ:

جنگِ صفین سے واپسی کے وقت کچھ ایسی چیزیں (حضرت علیؓ نے) بیان

---

[1] منہاج السنۃ ج:۳ ص ۶۱

زمانے میں جو اس سے پہلے آپ ذکر نہیں فرماتے تھے ان میں یہ بات آپ نے بڑے اہتمام اور تاکید سے بتائی کہ:

ایہا الناس لاتکرھوا امارۃ معاویۃ لو فقدتموہ رأیتم الرؤوس تندر من کواھلھا کانھا الحنظل۔[1]

یعنی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ معاویہؓ کی حکومت کو برا مت سمجھو، کیونکہ اگر وہ نہ رہے گی تو تم دیکھو گے کہ تمھارے سروں کو کندھوں سے حنظل (اندرائن) کی طرح جدا کر دیا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جب معاویہؓ نہیں رہیں گے تو حالات بد سے بدتر ہو جائیں گے اور تم کو شدید ترین مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا جس میں تم کو بیدردی سے مارا جائے گا۔

حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کے آئندہ دورِ حکومت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کیونکہ اس وقت ان کے دورِ امارت کو حضرت علیؓ تسلیم ہی نہیں کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ امیر معاویہؓ کے ہاتھوں میں امارت بہرحال آئے گی کیونکہ انھوں نے حضور علیہ السلام کی زبانی حضرت معاویہؓ کے حق میں دعائیں سنی تھیں اس لئے اپنے متعلقین کو حضرت علیؓ نصیحت فرما رہے ہیں۔

## حضرت حسنؓ کا فرمان

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق جب حضرت معاویہؓ سے ربیع الاول ۴۱ھ میں مصالحت کر لی اور خلافت کی باگ ڈور ان کے حوالہ کر کے کوفہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو کچھ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا اور طعنہ دیتے ہوئے "یا مذل المومنین" (اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے) کہا تو

[1] البدایہ ج: ۸، ص ۱۳۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵ باب ذکر صفین۔ تاریخ اسلام ذہبی ج: ۲، ص ۳۲۱

اس کے جواب میں حضرت حسنؓ نے فرمایا: معاویہؓ سے صلح کرنے پر تم مجھے ایسا نہ کہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لایذھب الایام واللیالی حتیٰ یملك معاویة۔ ۱

ترجمہ: رات دن نہیں گزریں گے یہاں تک کہ معاویہؓ حکمراں ہوں گے۔
یعنی معاویہؓ کا حکمراں ہونا طے ہے، لہٰذا ان کی حکومت درست ہے، جس کے لئے مجھے ملامت نہیں کی جاسکتی۔

## حضرت عبداللہ بن عباسؓ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے خاص طرفداروں میں سے تھے، حضرت معاویہؓ کے مخالف کیمپ میں تھے، اس کے باوجود انھوں نے متعدد مواقع پر حضرت معاویہؓ کی فضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے چند تأثرات ملاحظہ ہوں:

بخاری شریف میں ہے کہ رکعات وتر کے سلسلہ میں ایک بحث عبداللہ بن عباس کے سامنے آئی کہ حضرت معاویہؓ نے ایک رکعت وتر پڑھی ہے تو اس پر آپؓ نے فرمایا:

اصاب انہ فقیہ۔ ۲

بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول اس طرح منقول ہے:

اصاب ای بنی لیس احد مناأعلم من معاویة۔ ۳

یعنی انھوں نے صحیح کیا، اس مسئلہ میں حضرت معاویہؓ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔

تابعی مجاہد اور عطار رحمہما اللہ نے اپنے استاد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ذکر کیا کہ حضورﷺ کے بال کاٹنے کی روایت حضرت معاویہؓ کے علاوہ کسی اور صحابیؓ نے

---

۱ البدایہ والنہایہ ج:۸ ص ۱۳۱ ۲ بخاری ج:۱ ص ۵۳۱ ۳ السنن الکبریٰ ج:۳ ص ۲۶

نقل نہیں کی ہے تو اس پر عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

ماكان معاوية على رسول الله صلى الله عليه وسلم متهما۔ ۱

یعنی امیر معاویہؓ حضور ﷺ پر اتہام لگانے والے نہیں تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کی بیان کی ہوئی روایت کو صحیح قرار دیا اور ان کی صداقت کی گواہی دی۔

علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ:

مارأيت احدا كان اخلق للملك من معاوية۔ ۲

یعنی امیر معاویہؓ سے زیادہ حکمرانی کیلئے موزوں اور مناسب میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

## حضرت عبداللہ بن عمرؓ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کا پورا دورِ حکمرانی دیکھا ہے، انھوں نے حضرت معاویہؓ کے متعلق فرمایا:

مارأيت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم اسود من معاوية ۳

یعنی حضور ﷺ کے بعد میں نے کسی کو امیر معاویہؓ سے اچھا حکمراں نہیں دیکھا۔

اس پر کسی نے کہا کہ اپنے سے پہلے خلفاء سے یہ بہتر حکمراں تھے؟ تو عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم پہلے خلفاء معاویہؓ سے خیر اور بہتر تھے لیکن معاویہؓ حکمرانی میں بہتر اور فائق تھے۔

## حضرت قبیصہ بن جابرؓ

حضرت قبیصہ بن جابرؓ فرماتے ہیں کہ:

مارأيت رجلا اثقل حلما ولا ابطأ جهلا ولا ابعد اناة منه ۔ ۴

---

۱ المنتقی ذہبی ۳۸۸ ۲ البدایہ ج:۸ ص۱۳۵۔ تاریخ کبیر امام بخاری ج:۴ ص۳۲۷

۳ تاریخ اسلام ذہبی ج:۲ ص۳۲۱ ۴ البدایہ ج:۸ ص۱۳۵

یعنی معاویہؓ سے زیادہ حوصلہ مند، جہالت سے بہت دور اور بردبار میں نے نہیں دیکھا۔

## حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ میں سے بڑے درجہ کے صحابی ہیں، امیر معاویہؓ کے انصاف اور حقوق کی ادائیگی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ما رأیت بعد عثمان اقضیٰ بحق من صاحب ھذا الباب یعنی معاویة[1]

یعنی میں نے حضرت عثمان غنیؓ کے بعد حق کو پورا کرنے والا اور برحق فیصلہ کرنے والا امیر معاویہ سے بہتر نہیں دیکھا۔

## حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

مشہور صحابی اور راوی حدیث حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہؓ کی زندگی اور ان کے معاملات و عبادات کو دیکھا تو فیصلہ فرمایا:

قال ما رأیت احدا اشبہ صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من امامکم ھذا یعنی معاویة۔[2]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی نماز پڑھنے والا (اس دَور میں) تمھارے اس امام (معاویہؓ) سے بہتر میں نے کوئی نہیں دیکھا۔

## حضرت عمیر بن سعدؓ

صاحبِ زہد و تقویٰ مشہور صحابی ہیں۔ فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں علاقہ حمص کے حاکم تھے، حضرت فاروق اعظمؓ نے کسی مصلحت سے ان کو معزول کر کے امیر معاویہؓ کو ان کی جگہ حاکم مقرر کر دیا۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عمیرؓ کو ہٹا کر معاویہؓ کو حاکم بنا دیا ہے جو نو عمر اور ناتجربہ کار ہیں۔ اس پر حضرت عمیرؓ نے فرمایا:

---

[1] البدایہ ج:۸ ص ۱۳۳۔ تاریخ اسلام ذہبی ج:۲ ص ۳۲۱ [2] المنتقی، (ذہبیؒ) ص ۸۹۔ ۳۸۸ طبع مصر

لاتذكروا معاوية الا بخير فانی سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اللهم اهده۔ [1]

حضرت معاویہؓ کا ذکر بھلائی اور خیر کے علاوہ مت کرو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حق میں ہدایت کی دعا کرتے ہوئے سنا ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ باقاعدہ تاکید اور ہدایت کرتے رہتے تھے کہ حضرت معاویہؓ کو بھلائی سے ہی یاد کرو اور ان پر طعن و تشنیع اور اعتراض نہ کرو کیونکہ یہ ایسے باعظمت اور خوش نصیب انسان ہیں جن کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی دعائیں فرمائی ہیں تو ان کے قدم راہِ ہدایت سے ہٹ نہیں سکتے۔

## امیر معاویہؓ تابعین کی نظر میں

### حضرت سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ جماعتِ تابعین میں نہایت ثقہ اور مشہور ومعتمد بزرگ اور سید التابعین ہیں۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان سے پوچھا تو حضرت نے فرمایا: زہری سن لو!

من مات محبا لابی بکر و عمر وعثمان وعلی (رضی الله عنهم) وشهد للعشرة بالجنة وترحَّم علىٰ معاوية كان حقا على الله ان لايناقشه الحساب ۔ [2]

یعنی جو شخص ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے اور عشرہ مبشرہ کے جنتی ہونے کی گواہی دے اور معاویہؓ کے حق میں دعائے رحمت کرے تو قوی

---

[1] تاریخ کبیر امام بخاریؒ ج:۴ص ۳۲۸
[2] البدایہ ج:۸ص ۱۳۹

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص کو حساب سے درگزر کردے گا۔

ابو مجلز رحمۃ اللہ علیہ

اسی طرح مشہور تابعی لاحق بن حمید بن سعید ان کی کنیت ابو مجلز ہے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے، ایک مرتبہ عمران بن حدیر نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ قرآن مجید کی کتابت فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت معاویہؓ کے دور میں یہ ہوا ہے (یعنی یہ کام جائز ہے) انھوں نے پوچھا کہ میں مصحف (قرآن مجید) کی کتابت کیا کروں؟ تو ابو مجلزؒ نے فرمایا کہ تو اپنے ہاتھ کو اپنی منشاء کے مطابق (جائز کام میں) استعمال کرسکتا ہے۔

ان اکابر تابعین کے نزدیک حضرت معاویہؓ کا دور خلافت شرعی مسائل میں سند اور شہادت کا درجہ رکھتا ہے اور یہی اسلامی حکومت وخلافت کا معیار ہے کہ اس میں انجام پانیوالے امور مستند ہوتے ہیں۔ اسیطرح صحابہ کرامؓ سے حسن ظن اور عقیدت آخرت کے محاسبہ سے نجات کا باعث ہے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۴۱ھ میں حضرت حسن رضی اللہ حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے اور مصالحت ہوگئی، امت کے بکھرے ہوئے شیرازے میں اجتماعیت کا دور واپس آگیا۔ اب پوری امت حضرت معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کرچکی تھی۔ آپ کے زیر اقتدار اسلامی جہاد جس کا سلسلہ شہادت عثمانؓ کے بعد تقریباً بند ہوچکا تھا دوبارہ کھل گیا اور فتوحات ہونے لگیں۔ صرف علاقۂ روم میں حضرت معاویہؓ نے سولہ غزوات کئے بیت المال میں مال غنیمت کی آمد شروع ہوگئی، مسلمان امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

دور خیر القرون کے ایک معتبر اور مستند محدث وفقیہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۵۸ھ) نے حضرت معاویہؓ کی خلافت پر جو تبصرہ کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں جس سے آپ کی خلافت کی حقانیت اور صداقت پر روشنی پڑتی ہے۔

علامہ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

"قال ابوزرعة الدمشقي عن دحيم عن الوليد عن الاوزاعيؒ قال ادركت خلافة معاويةؓ عدة من الصحابة منهم اسامة وسعد وجابر وابن عمر وزيد بن ثابت ومسلمة بن مخلد وابو سعيد ورافع بن خديج وابو امامة وانس بن مالكؓ ورجال اكثر واطيب ممن سمينا باضعاف مضاعفة كانوا مصابيح الهدى، واوعية العلم، حضروا من الكتاب تنزيله، ومن الدين جديده وعرفوا من الاسلام مالم يعرفه غيرهم، واخذوا عن رسول الله ﷺ تاويل القرآن ومن التابعين لهم باحسان ماشاء الله منهم المسور بن مخرمة عبدالرحمن بن الاسود بن عبد يغوث وسعيد بن المسيب وعبدالله بن محيريزؒ وفي اشباه لهم لم ينزعوا يدا من جماعة في امة محمد ﷺ۔ (البدایہ والنہایہ ج:۸ ص۱۳۳)

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے حضرت معاویہؓ کی خلافت کا دور پایا جن میں حضرت اسامہ، حضرت سعد، حضرت جابر، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت مسلمہ بن مخلد، حضرت ابوسعید، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابوامامہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم کے علاوہ بہت سے صحابہ کرامؓ تھے۔ یہ لوگ اپنے دور میں ہدایت کے چراغ اور صاحبان علم تھے، کتاب اللہ کے نزول کے وقت موجود تھے، دین اسلام کی ایسی معرفت اور جانکاری ان کو حاصل تھی جو دوسروں کو نہیں تھی۔ انھوں نے حضور اقدس ﷺ سے قرآن کے معانی ومفاہیم براہ راست حاصل کئے تھے اور تابعین کی

ایک بہت بڑی جماعت اس وقت موجود تھی ان میں حضرت مسور بن مخرمہ، عبدالرحمن بن اسود، سعید بن مسیب، عبداللہ بن محریز اور ان جیسے دیگر اکابر تھے۔ امت محمدیہ کی اس جماعت میں سے کسی نے امیر معاویہؓ کی اطاعت سے ہاتھ نہیں کھینچا۔

امام اوزاعیؒ نے مطلع صاف کردیا اور بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوگیا۔ خیر القرون کے ان اکابر کے نزدیک

امیر معاویہؓ کی خلافت صحیح تھی

آپ خلیفہ برحق اور امیر المومنین تھے

کسی کو دبا کر از خود خلیفہ نہیں بنے تھے

ان کی حکومت جابرانہ اور ظالمانہ نہیں تھی

آج کے اس گئے گزرے اور پُرفتن دور کے ناقدین وحاسدین اور محقق ومحدث ہونے کے دعویداروں کیلئے ان اکابر صحابہ اور اجلہ تابعین کی روش مشعل راہ ہے۔ وہ تو حضرت معاویہؓ کی خلافت تسلیم کررہے ہیں اور کوئی ان کے خلاف کھڑا نہیں ہوتا اور آپ اپنی ٹوٹی ٹانگ کے ساتھ کھڑے ہو کران پر رد زار کھیں۔ فیا حسرتاہ!

## عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد، علماء امت کے نزدیک نہایت ثقہ عالم حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ امیر معاویہ کے سلسلہ میں آپ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا:

میں اس شخص کے متعلق کیا کہوں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو حضرت معاویہؓ آپ کے پیچھے ربنا لک الحمد کہتے تھے۔ [1]

[1] البدایہ: ۸/ص ۱۳۹

آپؒ سے پوچھا گیا: امیر معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ میں کون افضل ہے؟
تو جواب دیا: حضور ﷺ کی معیت میں رہ کر امیر معاویہؓ کی ناک کی مٹی عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے۔ [1]

## حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا شمار عادل اور صالح خلفاء میں ہوتا ہے۔ ان کی خلافت کو ہم رنگ خلافتِ راشدہ کہا گیا ہے۔ آپ بنوامیہ میں سے ہیں، آپ کا عدل وانصاف اور احتیاط وتقویٰ بہت مشہور ہے۔ آپ کی نظر میں حضرت معاویہؓ کا مقام ومرتبہ کیا تھا اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت معاویہؓ کے خلاف بدزبانی کرنے والے شخص کو کوڑے لگوائے۔

علامہ ابن کثیرؒ البدایہ میں لکھتے ہیں:

عن ابراھیم بن میسرۃ قال ما رأیت عمر بن عبدالعزیز ضرب انسانا قط الا انسانا شتم معاویۃ فانہ ضربہ اسواطا۔ [2]

یعنی ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنے عہد میں کسی کو کوڑے مارتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن حضرت معاویہؓ کے خلاف زبان درازی اور بدکلامی کرنے والے شخص کو آپ نے کوڑے لگوائے۔

## امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ائمہ اربعہ میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ امت میں ایک اعلیٰ وارفع مقام کے حامل ہیں۔ حدیث وفقہ کے امام ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے سلسلے میں بدزبانی کرنیوالوں کے بارے میں آپؒ نے فرمایا:

[1] البدایہ ج:۸،ص۱۳۹ [2] البدایہ ج:۸،ص۱۳۹

من شتم احدامن اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ابابکر او عمر اوعثمان اومعاوية اوعمرو بن العاص رضی الله عنهم فان قال کانوافی ضلال قتل وان شتم بغیر هذامن مشاتمة الناس نکل نکالاشدیدا۔ [1]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی علیہ السلام کے اصحاب میں سے کسی کو گالی دے چاہے ابوبکر یا عمر یا عثمان یا معاویہ یا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو، اگر وہ کہتا ہے کہ یہ لوگ گمراہی پر تھے تو اس کو قتل کر دیا جائے لیکن اگر اس لفظ کے بغیر عام لوگوں کی گالیوں کی طرح سب وشتم کرے تو اس کو سخت سزا دی جائے۔

یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کسی عام عالم کا نہیں۔ آپ امام مجتہد ہیں اور مجتہد کا یہ کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ خوب غور فرمالیا جائے۔

## ربیع بن نافع ابوتوبہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ

یہ مشہور محدث امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے متعلق فرماتے ہیں:

معاوية سترلاصحاب محمد فاذاکشف الرجل الستراجترأ علیٰ ماوراءه۔ [2]

یعنی حضرت معاویہؓ ابن ابی سفیان اصحاب رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک پردہ ہیں، اگر کوئی شخص پردے کو کھول دے گا تو پھر وہ ہر چیز پر جرأت کر سکے گا۔

یہ بات عام مشاہدہ کی ہے کہ حضرت معاویہؓ پر اعتراض اور طعن و تشنیع کرنے والے تمام صحابہ کرامؓ کی طرف سے بدظن نظر آتے ہیں اور اللہ کی طرف سے ایسی پھٹکار

---

[1] فتاویٰ سبکیؒ ۲/۵۷۹-۵۸۰۔ رسائل ابن عابدین شامی ص ۳۵۸ [2] البدایہ ج:۸، ص ۱۳۹

اور لعنت ان پر پڑتی ہے کہ وہ صحابہؓ سے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک ایک کر کے ان کے ہاتھ سے صحابہؓ کا دامن چھوٹتا چلا جاتا ہے۔

## معافی بن عمران ازدی موصلی رحمۃ اللہ علیہ

یہ دوسری صدی ہجری کے مشہور محدث ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں ان کا فرمان ملاحظہ ہو:

سئل المعافی بن عمران ایهما افضل معاویة اوعمربن عبدالعزیز ؟ فغضب وقال للسائل: اتجعل رجلامن الصحابة مثل رجل من التابعین ؟ معاویة صاحبه وصهره و کاتبه وامینه علیٰ وحی الله وقد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم دعوالی اصحابی واصهاری فمن سبهم فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین ۔[1]

معافی بن عمران سے پوچھا گیا: امیر معاویہؓ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ تو آپ کو غصہ آ گیا اور سائل سے فرمایا تو ایک صحابی کو تابعی کے برابر قرار دیتا ہے؟ پھر فرمایا: معاویہ تو صحابی ہیں، آپ کے سرالی رشتہ دار ہیں، آپ کے کاتب ہیں، وحی الٰہی پر آپؐ کے امین ہیں۔ (پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد سنایا کہ) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے اصحاب اور میرے اصہار (سرالی رشتہ داروں) کو میرے لئے چھوڑ دو جو شخص ان کو برا بھلا کہے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

## امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ائمہ مجتہدین میں سے بڑے درجہ کے امام ہیں اصحاب عزیمت کے سرخیل اور امت کے معتمد علیہ ہیں۔ ان کے شاگرد میمونی رحمۃ اللہ

[1] البدایہ ج ۸، ص ۱۳۹

علیہ کہتے ہیں:

قال الميموني سمعت احمد يقول: مالهم ولمعاوية نسئل الله العافية ،وقال ياابالحسن اذارأيت احدايذكر اصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم بسوء فاتهمه على الاسلام۔ ؎1

میں نے امام احمدؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا: لوگوں کو امیر معاویہؓ کے حق میں کیا ہو گیا ہے (کہ ان کی برائی کرنے لگے) ہم اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے ہیں۔ پھر مجھے خطاب کر کے آں موصوف نے فرمایا: اے ابوالحسن! جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی صحابی کی برائی کرتا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

آج کے دور کے خیالی و بناوٹی محققین کو اپنی شرافتِ نسبی، طلاقت لسانی اور غرور ہمہ دانی کے ساتھ اگر تعصب اور حبِ جاہ و مال رکاوٹ نہ بنے تو ان کو فقہائے امت اور ائمہ کرام کے علم و تفقہ پر بھی تھوڑا سا بھروسہ کرنا چاہئے جن کی تعلیم ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کے سلسلے میں بھی بدزبانی اور بدگوئی سے ایمان چلا جاتا ہے اور اس کا ایمان و اسلام مشکوک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی عاقبت خیر فرمائے۔

## ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ

یہ پانچویں صدی ہجری کے عالم ہیں علم عقائد کے بڑے فضلاء میں سے ہیں۔ ان کی کتاب ''التمہید'' مشہور زمانہ کتاب ہے، اس میں حضرت معاویہؓ کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہؓ دین و شریعت کے عالم تھے، ان میں قطعاً فسق نہیں پایا گیا، بلکہ ان

؎1 الصارم المسلول، ص ۵۷۳، طبع دکن

میں کامل دیانت تھی اور اگر حضرت معاویہؓ دیندار نہ ہوتے تو ان سے حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ ہرگز صلح نہ کرتے، ان میں بغاوت کے علاوہ کوئی چیز قابل اعتراض نہیں پائی گئی، پھر حضرت علیؓ نے ان سے مصالحت کرلی تھی کیونکہ امیر معاویہؓ نے بغاوت کے دور میں کسی مسلمان پر جور وظلم روا نہیں رکھا، وہ حق کے داعی تھے اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کرنے والے تھے اور حضرت علیؓ کے بعد امام برحق تھے، اللہ کے دین میں عادل تھے اور لوگوں کے معاملات میں منصف تھے۔[1]

امام موصوف کے بیان سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

☆ حضرت معاویہؓ دین وشریعت کے عالم تھے (دین سے ناواقف نہیں تھے)

☆ آپ دیندار اور متدین تھے (کوئی فاسق وفاجر نہیں تھے)

☆ ان میں بغاوت کی صفت پائی گئی لیکن اس مدت میں آپ نے مسلمانوں پر کوئی ظلم وجور نہیں کیا۔ (اور بغاوت بھی اجتہادی تھی جس پر ثواب کا وعدہ ہے)

☆ دینی اور دنیوی معاملات میں عادل ومنصف تھے (ظالم وجابر اور جائر نہیں تھے)

☆ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ امام برحق تھے۔ (زبردستی خلیفہ نہیں بنے تھے)

## شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ المشائخ سیدنا عبدالقادر جیلانی (متوفی ۵۶۰ھ) اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین میں اہل سنت وجماعت کے عقائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت علی کرم وجہہ کے انتقال کے بعد اور سیدنا حضرت حسنؓ کی خلافت سے دست برداری اور خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کردینے کے بعد امیر معاویہؓ کی

---

[1] کتاب التمہید ص ۱۶۹، حزب الاحناف لاہور

خلافت برحق اور صحیح تھی..... حضرت معاویہؓ کے ساتھ حضرت حسنؓ کے مصالحت کر لینے سے امیر معاویہؓ کی امامت وخلافت میں نزاع وجھگڑا ختم ہو جانے کی بناء پر اس سال کا نام "عام الجماعۃ" ٹھہرا۔ اس وقت کوئی تیسرا شخص خلافت کا مدعی نہیں تھا۔ لہٰذا تمام حضرات نے اس مسئلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی اتباع اور اطاعت کر لی۔ [۱]

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وصال کے بعد جب حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت کر لی تو آپ خلیفہ برحق تھے، ان کی خلافت صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ اب ان کو ایک عام دنیوی بادشاہ کی حیثیت سے ذکر کرنا قطعاً درست نہیں ہو سکتا۔ اب وہ نہ باغی تھے، نہ طاغی اور نہ ہی جابر وظالم تھے۔

## علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

وکانت سیرۃ معاویۃؓ مع رعیتہ من خیار سیر الولاۃ وکانت رعیتہ یحبونہ وقد ثبت فی الصحیحین عن النبی ﷺ انہ قال خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم۔ [۲]

عمدہ سیرت والے حاکموں کی طرح حضرت امیر معاویہؓ کی سیرت بھی اپنی رعایا کے حق میں بہترین تھی، ان کی رعایا بھی ان سے محبت کرتی تھی، بخاری اور مسلم میں نبی علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے: کہ تمہارے اماموں اور حاکموں میں بہتر وہ لوگ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت رکھتے ہوں، وہ تمہارے لئے اور تم ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہو۔

---

[۱] غنیۃ الطالبین ص ۱۳۸، ۱۳۹ [۲] منہاج السنۃ ج ۳، ص ۱۸۹

## حافظ الحدیث امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فضائل معاوية فی حسن السيرة والعدل والاحسان كثيرة ۔ [1]

یعنی حضرت معاویہؓ کے فضائل عمدہ سیرت، عدل وانصاف اور حسنِ سلوک کے معاملہ میں بہت زیادہ ہیں۔

## ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

ملا علیؒ کا شمار حدیث کے جید اور بڑے علماء میں ہوتا ہے، آپ نے حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ المفاتیح لکھی ہے۔اس میں موصوف حضرت معاویہؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:

امامعاوية رضی الله عنه فهومن العدول الفضلاء والصحابة الاخيار۔ [2]

یعنی حضرت معاویہؓ انصاف پرور اور صاحب فضیلت صحابہؓ میں سے ہیں اور ان کا شمار اخیار صحابہ میں ہوتا ہے۔

## حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی مشہور زمانہ کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں حضرت معاویہؓ کے فضائل ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”طرقِ کثیرہ کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہؓ کے متعلق معلوم تھا کہ ایک وقت میں وہ خلیفہ ہوں گے، چونکہ آنحضور علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کی امت پر بہت زیادہ شفقت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

---

[1] المنتقی ص ۳۸۸، مطبوعہ مصر [2] مرقاۃ المفاتیح ج:۱۱،ص ۲۷۲

حریص علیکم بالمؤ منین رؤوف رحیم۔ لہٰذا امت پر شفقت کے تقاضے کی بنا پر آپ نے اپنے اس خلیفہ معاویہؓ کے حق میں ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ ہونے کی دعائیں فرمائیں۔ [1]

فضیلتِ معاویہؓ پر مشتمل چند احادیث ذکر کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ آگے فرماتے ہیں:

وقد استفاض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استکتبه وھو لا یستکتب الاعدلا امینا [2]

یعنی حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت معاویہؓ سے کتابت کروائی اور آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ عادل اور امین کے علاوہ کسی سے کتابت نہیں کرواتے تھے۔

## حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت تھانویؒ فتاویٰ امدادیہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہؓ خود صحابی ہیں اور ایک صحابی کے فرزند ہیں ان کے صحابی ہونے اور ان کی فضیلت وشان میں کسی کو کلام نہیں مگر یہ کہ وہ شخص رافضی ہو۔''

اسکے بعد آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

''اگر دررہ گذر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نشینم وگردِ سم اسپ جناب برمن افتد باعثِ نجات می شناسم۔''

اگر میں حضرت معاویہؓ کی رہگذر میں بیٹھ جاؤں اور ان کے گھوڑے کے کُھر کی گرد مجھ پر پڑے تو اس کو میں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

---

[1] ازالۃ الخفاء کامل ص ۱۴۶،۱۴۷۔ تنبیہ سوم، فصل پنجم۔ [2] ایضاً

اس کے آگے لکھا ہے:

پس تعجب کہ چنیں بزرگان دین چناں خیال فرمایند و چند کساں ناکساں زبان درازی کنند۔ صدق من قال:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد [1]

پس مقام تعجب ہے کہ اس اعلیٰ درجہ کے بزرگانِ دین تو حضرت معاویہؓ کے متعلق اس قسم کا (عقیدت وعظمت کا) خیال رکھیں اور دوسرے ایرے غیرے زبان درازی کریں۔ شاعر نے سچ کہا ہے ۔

جب خدا تعالیٰ کسی کا پردہ پھاڑنا (اور اس کو بے آبرو کرنا) چاہتا ہے تو وہ شخص نیک لوگوں کے خلاف طعن وتشنیع اور زبان درازی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

## حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ

اخیر میں حضرت خواجہ شمس العارفینؒ (سیال شریف ضلع سرگودھا صوبہ پنجاب) کا قول ملاحظہ فرمالیں۔ آپ مشائخ چشتیہ کے مشہور بزرگ ہیں، آپ کے ملفوظات کو ان کے ایک مرید اور عقیدت مند سید محمد سعید شاہ لاہوری نے مجالس کی شکل میں جمع کیا ہے جو فارسی زبان میں "مرآۃ العاشقین" کے نام سے بہت مشہور ہے۔ جامع نے ایک مجلس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بندہ عرض داشت کہ بعض قوم سادات درحق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اعتقاد درست نمی دارند و بزمرۂ عداوتیاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ می شارند۔ خواجہ شمس العارفین فرمود تا آنکہ درحق جمیع اصحاباں اعتقاد درست ندارد ایمان او کامل نباشد...الخ [2]

---

[1] فتاویٰ امدادیہ ج: ۴، ص ۱۲۲، ۱۲۳

[2] مرآۃ العاشقین فارسی ص ۱۳۹ مطبع مصطفائی لاہور۔

بندہ نے حضرت کی خدمت میں گذارش کی کہ قوم سادات کے بعض افراد حضرت معاویہؓ کے حق میں اچھا اعتقاد نہیں رکھتے اور ان کو حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے مخالفین کی جماعت میں شمار کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب تک حضور علیہ السلام کے تمام صحابہؓ کے حق میں اعتقاد درست نہ رکھے اس کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

## مقامِ صحابہؓ

صحابہؓ کون ہیں؟

صحابہ کرامؓ اس پاکباز، راستباز، مقدس اور باعظمت جماعت کا نام ہے جس کا انتخاب علام الغیوب نے اپنے دستِ قدرت سے فرما کر اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی بنا دیا۔ یہ امت کے عام افراد نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان کی پاکیزہ کڑی اور مقدس واسطہ ہونے کی وجہ سے خصوصیت اور امتیازی مقام کے حامل ہیں۔ یہ مقامِ امتیاز ان کو خالقِ کائنات اور رسولِ فخرِ موجودات کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔

علمائے امت کی تصریحات اور ائمہ عقائد کی توضیحات کی روشنی میں انبیاء کے بعد صحابہ کرامؓ افضل الخلائق ہیں اور قرآن وسنت کی نصوص سے قطعی جنتی ہیں، اس میں کسی صحابی کا استثناء نہیں ہے۔ یہ قرآن کا اعلان اور امت کا اجماعی فیصلہ ہے جس کو تاریخ کی صحیح وسقیم معتبر اور غیر معتبر روایات کے ڈھیر میں نہ دبایا جاسکتا ہے نہ ہی رد کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی تاریخ کسی نص سے ٹکرائے گی تو اس تاریخ کی ممکنہ حد تک تاویل ہوگی ورنہ رد کر دی جائے گی اور وہ ناقابلِ قبول ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ فن حدیث کی معتبر کتابیں بھی بعض غیر معتبر تاریخی روایات کے

آجانے کی وجہ سے عیب دار بن جاتی ہیں۔ کیونکہ مقام صحابہؓ اور ان کا باہمی فرق مراتب اور بالخصوص مشاجراتِ صحابہؓ یعنی ان کے درمیان پیش آنے والے نزاعات و اختلافات کو علمائے امت نے عقیدہ کا مسئلہ قرار دیا ہے اور عقیدہ کا مدار قرآن وسنت کی نصوص اور اجماع امت پر ہوتا ہے نہ کہ تاریخ کی روایات پر۔ چنانچہ حافظ الحدیث علامہ ابن عبدالبرؒ نے معرفتِ صحابہؓ (جو علم حدیث کا اہم جزو ہے) کے موضوع پر اہم ترین کتاب ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' لکھی تو اس کو بڑی قدر وعظمت کی نگاہ سے دیکھا گیا لیکن علامہ موصوف نے مشاجرات صحابہؓ سے متعلق اس میں کچھ غیر مستند تاریخی روایات اپنے محدثانہ اصول پر جانچے پرکھے بغیر شامل کر دیں تو ان کے اس عمل کو ائمہ حدیث نے اس بہترین کتاب کے لئے بدنما داغ قرار دیا۔ امام حدیث ابن صلاحؒ نے علوم الحدیث (۱) میں اور علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی (۲) میں اس پر سخت اعتراض کیا۔ ؎

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ امت میں ایک طبقہ اسلام کے نام پر ابتداء ہی سے چلا آرہا ہے جو دراصل یہودی ذہنیت کی پیداوار ہے اور مسلسل اسلام پر حملہ آور ہے ان کا کام دشمن ہی اصحابِ رسول کو مجروح کر کے دینی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا اور اپنے عناد وحسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ انھوں نے پیغمبر اسلام کی زندگی کی کمائی ہوئی دولت صحابہ کرامؓ کو خائن، غاصب اور ظالم ٹھہرانا ہی اپنا دین ودھرم قرار دے رکھا ہے۔ اس لئے امت محمدیہ ان سے الگ ہے کیونکہ وہ تو دشمنِ اصحاب ٹھہرے افسوس تو تب ہوتا ہے جب اہلِ سنت وجماعت (مسلمانوں) میں سے ہی کچھ نادان دوست کھڑے ہو کر تاریخ کے ملغوبے سے کھوٹے سکوں کے سہارے دادِ تحقیق دینے لگتے ہیں اور اپنی توانائیاں جماعتِ صحابہؓ کے افراد پر طعن وتشنیع میں صرف کرتے ہیں۔ یہ مرض اگر

---

؎ علوم الحدیث ص ۲۶۲ طبع مدینہ منورہ تدریب الراوی ص ۲۹۵

مسلمانوں میں پھوٹ پڑا اور خدانخواستہ صحابہ کرامؓ مسلمانوں کا اعتماد کھو بیٹھے تو نہ قرآن پر بھروسہ رہا، نہ حدیث قابلِ اعتبار رہی اور نہ ہی اسلام کا کوئی اصول ثابت رہے گا۔ اس کج فکری کا نتیجہ دین و اسلام کی تباہی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ اور شاید دشمن کی یہی منشاء بھی ہو جس کی تکمیل کیلئے گھر کے بھیدی سے لنکا ڈھانے کا کام لیا جا رہا ہے۔

اس لئے قرآن و حدیث اور امت کے اجماعی فیصلہ سے مقام صحابہؓ کے سلسلہ میں اختصار کے ساتھ چند باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

## مقامِ صحابہؓ قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے جماعتِ صحابہؓ کو مخاطب کر کے انکا مقام و مرتبہ بتاتے ہوئے فرمایا:

(۱) وکذلك جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا۔ (سورہ بقرہ، پ۲، آیت۲)

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔

باتفاقِ مفسرین و محدثین اس آیت کا اولین اور حقیقی مصداق صحابہ کرامؓ ہیں اور باقی امت بھی اپنے اعمال کے مطابق اس میں داخل ہوسکتی ہے۔ آیتِ کریمہ صاف صاف بتا رہی ہے کہ اے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تم کو ایسی جماعت بنایا ہے جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال پر ہے تا کہ دنیا میں شرف و امتیاز حاصل ہونے کے علاوہ آخرت میں بھی تمہارا بڑا شرف ظاہر ہو کہ تم ایک بڑے مقدمہ میں جس میں ایک فریق حضراتِ انبیاء ہوں گے اور دوسرا فریق ان کی مخالف قومیں ہوں گی، ان مخالف لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور سونے پر سہاگہ یہ کہ تمارے قابلِ شہادت اور معتبر ہونے کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں۔ اور تمھاری شہادت سے اس مقدمہ کا فیصلہ

انبیاء علیہم السلام کے حق میں ہوا اور مخالفین مجرم قرار پاکر سزایاب ہوں۔ یہ اعلیٰ درجہ کا اعزاز و شرف ہے۔

اس آیت کریمہ سے صحابہ کرام کا نبیوں کے بعد تمام انسانوں سے افضل، اعلیٰ، عادل اور ثقہ ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

علامہ ابن حجر مکیؒ نے اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس آیت میں (اور اس سے بعد والی آیت کنتم خیر امۃ اخرجت للناس میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اولاً بلاواسطہ صحابہ کرامؓ کو خطاب کیا گیا ہے اور وہی براہ راست آپ کے مخاطب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف مسلمان کو نظر کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو عادل اور خیر بنایا تاکہ یہ باقی امتوں پر قیامت کے دن شہادت دے سکیں۔ پس اس وقت عادل کے بغیر اس مقام پر اللہ تعالیٰ کیسے شہادت لائے گا؟ کیا ایسے لوگوں کو ادائے شہادت کے اس اعلیٰ مقام پر کھڑا کریگا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (معاذ اللہ) مرتد ہوگئے تھے اور صرف چھ افراد باقی رہ گئے تھے جیسا کہ رافضیوں کا خیال ہے۔"[1]

(۲) کنتم خیر امت اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤ منون باللہ۔ (آل عمران: آیت ۱۱۰)

تم سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ صحابہ کرامؓ اور بالواسطہ پوری امت کے خیر اور افضل ہونے کو بتایا ہے۔ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی شہادت کے برابر

[1] الصواعق المحرقہ ص: ۲۰۹

کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات کا سب سے زیادہ جاننے والا ہے جو امور ان سے صادر ہوئے یا ہوں گے ان کو وہ خوب جانتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے حق میں "خیر الامم" ہونے کی گواہی جب اللہ تعالیٰ دے رہا ہے تو ہر مسلمان کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے ورنہ (العیاذ باللہ) وہ اللہ کی خبروں کو جھٹلانے والا ہوگا۔ پھر آگے ان کے خیر و افضل ہونے کی وجہ بھی بتلادی کہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ یعنی ایمان پر قائم رہتے ہو۔

(۳) محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من اثر السجود۔ (پ۲۶، سورہ فتح آیت ۲۹)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

عام مفسرین امام قرطبی، علامہ آلوسی، امام رازی، امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ کے بقول والذین معہ عام ہے اس میں صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت داخل ہے کیونکہ معیت اور صحبت رسول سب کو حاصل ہے۔ اگرچہ اس کے اولین مخاطب وہ حضرات صحابہؓ ہیں جو حدیبیہ اور بیعت الرضوان میں شریک تھے۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: وفي البحر ذكر عند مالك رجل ينتقص الصحابة فقرأ مالك هذه الآية فقال: من اصبح من الناس في قلبه غيظ من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقد اصابته هذه الآية۔ [1]

[1] تفسیر روح المعانی ج ۲۶، ص ۱۲۸

امام مالکؒ کی مجلس میں ایک شخص کا ذکر ہوا جو بعض صحابہ کرامؓ کو برا کہتا تھا، امام مالکؒ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی کے متعلق غیظ و غصہ ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے۔ یعنی اس کا ایمان خطرہ میں ہے کیونکہ آیت میں کسی صحابی سے بھی غیظ کفار کی علامت قرار دی گئی ہے۔ یہی واقعہ علامہ قرطبیؒ نے بھی ابو عروہ زبیری سے نقل کیا ہے۔

حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں حق تعالیٰ نے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر آپ کی صفتِ رسالت کو بیان فرمایا اس کے بعد آپ کے صحابہ کرامؓ کے فضائل بیان کئے۔۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں اختصار سے کام لیا گیا اور صحابہ کرامؓ کے فضائل میں خوب طول دیا گیا، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ لفظ "رسول اللہ" اگرچہ مختصر ہے مگر تمام فضائل و کمالات کے دریا اس کوزہ میں بند ہیں۔ کوئی تطویل بھی اس اختصار کو نہیں پا سکتی اور یا یہ وجہ ہے کہ اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس استاد کے شاگردوں کے یہ فضائل ہیں بھلا اس استاد کے فضائل کی تفصیل تم کیا سمجھ سکتے ہو۔ یا یوں سمجھو کہ اصل مقصود تو صحابہ کرامؓ کی تعریف ہے مگر مقتدیوں کی تعریف سے پہلے ان کے امام کی تعریف کر دی گئی تا کہ ظاہر ہو جائے کہ ان مقتدیوں کے کمالات اس امام کے طفیلی ہیں"۔

آگے حضرت امام اہل سنتؒ فرماتے ہیں:

"ذرا دیکھو تو یہ قسمت کس بندے کی ہو سکتی ہے کہ مالک اس کے رکوع و سجود کو پسند فرمائے اور پسند بھی اس درجہ کہ اپنی کتاب پاک میں اس کا ذکر فرمائے جو رات دن

تلاوت کی جائے اور تمام کائنات میں اس کا اعلان ہوتا ہے کہ کچھ بندے خدا کے اس زمین پر ایسے بھی تھے جن کی عبادت مالک کو اس قدر پسند تھی۔اب یہ دولت کس کو نصیب ہوسکتی ہے۔اے اصحابِ نبی یہ خداداد انعام آپ کو مبارک ہو۔طوبیٰ لکم ثم طوبیٰ" [۱]

(۴) اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے صحابہ کو قیامت کی رسوائی سے محفوظ رکھے گا۔ارشادِ ربانی ہے:

یوم لایخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم۔(پ:۲۸ آیت:۸،سورہ تحریم)

جس روز اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے،رسوا نہیں فرمائیں گے۔ان کا نور ان کے سامنے اور دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔

علامہ آلوسیؒ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفیہ تعریض بمن اخزاھم اللہ تعالیٰ من اھل الکفر والفسوق واستحماد علی المومنین علیٰ ان عصمھم من مثل حالھم والمراد بالایمان ھنا فردہ الکامل علیٰ ماذکرہ الخفاجی۔

اس میں ان اہلِ کفر و فسق کو نشانہ بنایا گیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ ذلیل و رسوا فرمائیں گے اور اہلِ ایمان کی تعریف و تحسین ہے کہ ان کو کافروں،فاسقوں کی حالت سے محفوظ رکھیں گے۔اور ایمان سے مراد یہاں ایمان کا فردِ کامل ہے جیسا کہ خفاجی نے ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر مکیؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اس دن کی رسوائی سے بچائیں

[۱] (آیتِ معیت در تفسیر آیاتِ خلافت وامامت ص ۱۹۔۲۱) [۲] روح المعانی ج:۲۸،ص ۱۶۱

گے اور اس دن رسوائی سے نہیں بچ سکیں گے مگر وہ لوگ جو فوت ہوئے اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان سے راضی ہے۔ ان لوگوں کا رسوائی سے محفوظ رہنا اس بات کی وضاحت ہے کہ کمالِ ایمان اور نیکیوں پر ان کا خاتمہ ہوا اور یہ اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ان سے ہمیشہ راضی رہے''۔ [1]

مطلب صاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ ایمان لانے والی جماعت (صحابہ کرامؓ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کی بدولت اس دن عذاب کی رسوائی سے محفوظ رہیں گے جبکہ کفار و فساق کو اللہ تعالیٰ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر کے رسوا کرے گا۔

(۵) صحابہ کی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا:

سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا:

لقد نصركم الله في مواطن كثيرة ويوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا وضاقت عليكم الارض بمارحبت ثم وليتم مدبرين. ثم انزل الله سكينته علىٰ رسوله وعلى المومنين وانزل جنودالم تروها وعذب الذين كفروا وذلك جزاء الكافرين ثم يتوب الله من بعد ذلك علىٰ من يشآء والله غفور رحيم۔ (سورہ توبہ: ۲۷،۲۶،۲۵)

مدد کر چکا ہے اللہ تمھاری بہت میدانوں میں (جیسے بدر واحد وغیرہ میں) اور حنین کے دن، جب تم خوش ہوئے اپنی کثرت پر، پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمھارے اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے، پھر تم پیٹھ دے کر ہٹ گئے، پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر، اور اتاریں فوجیں (ملائکہ کی) جن کو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے منکروں کی، پھر توبہ

[1] الصواعق المحرقۃ ص ۳۰۹

نصیب کرے گا اللہ اس کے بعد جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے فضائل و مراتب بیان فرمائے ہیں، سبحان اللہ! صحابہ کا مقام اور خدائے بے نیاز کا ان کے ساتھ خصوصی کرم دیکھئے کہ اگر کبھی ان سے کوئی لغزش ہوگئی تو اسے معاف فرما کر اپنی شفقتوں سے نوازا اور وقتی خطاؤں سے درگزر فرما کر ان پر بے شمار رحمتیں برسائیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد شوال سن ۸ ہجری میں غزوہ حنین پیش آیا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مہاجرین و انصار صحابہ کرامؓ اور نئے نئے مسلمانوں کا مشرکین سے مقابلہ ہوا اور سخت معرکہ پیش آیا، تھوڑی دیر کے لئے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن فوراً اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر سکینہ نازل فرمایا اور فرشتوں کو اُتار کر غیبی مدد کا سامان کیا۔ یہ خصوصی رحمت تھی، کفار شکست کھا کر بھاگے اور مسلمانوں کو بے انتہا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیانؓ کو اس مالِ غنیمت کا نگراں مقرر فرمایا اور بعد میں اس میں سے خود ان کو اور ان کے بیٹوں حضرت یزیدؓ اور امیر معاویہؓ کو سو سو اونٹ اور چالیس چالیس اوقیہ چاندی مرحمت فرمائے۔

اس تفصیل سے حضرات صحابہ کرامؓ کی کئی فضیلتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی۔

۲۔ سکینہ کا نزول ان پر فرمایا۔

۳۔ جو تھوڑی سی کوتاہی میدان سے ہٹنے کی ہوئی اس کو معاف فرما کر ہمیشہ ہمیش کے لئے صحابہ کرامؓ کے خلاف بدزبانی کرنے والوں کی زبان پر تالا لگا دیا۔

(۶) صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ۔ (سورہ نمل ۵۹)

ثم اورثنا الكتب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله ذلك هو الفضل الكبير۔ (سورہ فاطر ۳۲)

آپ کہہ دیجئے حمد سب اللہ کے لئے ہے اور سلام ہے ان بندوں پر جن کو اللہ نے منتخب فرمایا۔

پھر وارث بنایا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جن کا ہم نے اپنے بندوں میں سے انتخاب کیا پھر بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجہ کے ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں یہ بڑا فضل ہے۔

پہلی آیت میں ''عباده الذين اصطفىٰ'' یعنی منتخب بندوں سے مراد رئیس المفسرین، حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ [۱]

دوسری آیت میں بھی یہی منتخب بندے کتاب اللہ (قرآن مجید) کے وارث قرار دئے گئے ہیں۔ صحابہؓ کے بعد پوری امت محمدیہ بھی اس فضیلت میں داخل ہے۔

ان دونوں آیتوں میں صحابہ کرامؓ کو ''منتخب بندے'' قرار دیا گیا ہے۔ آگے انھیں کی ایک قسم یہ بھی قرار دی گئی ہے کہ ''ان میں بعض اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں'' معلوم ہوا کہ اگر کسی صحابی سے کسی وقت کوئی ظلم یعنی گناہ ہوا بھی ہے تو اس کو معاف کر دیا گیا ورنہ منتخب بندوں میں ان کا ذکر نہ ہوتا۔ قرآن کے پہلے وارث جن کو یہ کتاب ملی ہے صحابہ کرامؓ ہیں اور ان منتخب بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آیا ہے۔ اس طرح پوری جماعت صحابہ اس خداوندی سلام میں داخل ہے۔ [۲]

---

[۱] معارف القرآن ج: ۶ ص ۵۹۲
[۲] کذا ذکرہ السفارینی فی شرح الدرۃ المضیۃ

آیت کریمہ میں ان منتخب بندوں کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں:

ظالم لنفسہ (اپنی جانوں پر ظلم کرنیوالے) مقتصد (متوسط درجہ کے) اور سابق بالخیرات (نیکیوں میں ترقی کرنیوالے) یہ سب جنتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ مذکورہ "الذین اصطفینا" کی تینوں قسموں کے متعلق فرمایا کہ سب ایک مرتبہ میں ہیں اور سب جنت میں ہیں۔ (رواہ احمد، ابن کثیر)

علامہ آلوسیؒ نے ان تینوں کی تفسیر میں بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے:

اول من اسلم بعد الفتح والثانی من اسلم قبلہ والثالث من اسلم قبل الھجرۃ۔

یعنی پہلی قسم "ظالم لنفسہ" وہ ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور دوسری قسم "مقتصد" وہ ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اسلام میں داخل ہوگئے اور تیسرے "سابق بالخیرات" وہ حضرات ہیں جو ہجرت سے پہلے دامنِ اسلام میں آگئے۔

(۷) لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقتلوا وکلا وعداللہ الحسنیٰ واللہ بما تعملون خبیر۔ (سورہ حدید پ:۲۷۔ آیت:۱۰)

تم میں سے جو لوگ فتح (مکہ) سے پہلے ہی خرچ کر چکے اور لڑ چکے وہ ان کے برابر نہیں جو فتح مکہ کے بعد لڑے اور خرچ کیا وہ لوگ درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں ان لوگوں سے جنھوں نے بعد کو خرچ کیا اور لڑے اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ تو سب ہی سے کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

آیت کریمہ سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد ایمان لانے والے تمام صحابہ جنتی ہیں اگرچہ ان کا باہمی فرق مسلم ہے۔
علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

وکلاوعدالله الحسنیٰ ای المتقدمون المتناهون السابقون والمتاخرون اللاحقون وعدهم الله جمیعاالجنةمع تفاوت الدرجات۔ [1]

یعنی صرف فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں کے لئے نہیں بلکہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والوں کے لئے بھی اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

(۸) سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کے تین طبقے ذکر فرمائے ہیں پہلا طبقہ مہاجرین کا ہے "الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم" ان کا پہلا وصف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی اور مددگار ہونے کی وجہ سے وطن سے نکال دیا گیا اور جائیداد سے محروم کر دیا گیا۔

دوسری صفت "یبتغون فضلا من الله ورضوانا"، یعنی ان کی ہجرت اور مال چھوڑنے کی غرض دنیاوی نہیں تھی بلکہ وہ صرف اللہ کی رضا اور فضل کے طالب تھے جس سے ان کا کمال اخلاص معلوم ہوتا ہے۔

ان کی تیسری صفت بیان فرمائی: وینصرون الله ورسوله۔ وطن سے مجبوری اور مال سے محرومی انھوں نے اس لئے اختیار کی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کریں جس کے لئے انھوں نے واقعتا حیرت انگیز قربانیاں پیش بھی کیں۔

ان کا چوتھا وصف بیان فرمایا: اولئک هم الصادقون۔ یہی لوگ قول و عمل میں سچے ہیں۔ اس آیت کریمہ نے تمام مہاجرین کے صادق ہونے کا اعلان کر دیا۔ جو شخص ان میں سے کسی کو جھوٹا کہے وہ اس آیت کا منکر ہے، مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ان مہاجرین

---

[1] تفسیر قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ج: ۷ ص ۲۴۱

کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ مقام تھا کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ان فقراء مہاجرین کا وسیلہ دے کر دعا فرماتے تھے۔ کمارواہ البغوی، تفسیر مظہری

دوسرا طبقہ انصار کا ہے۔ والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم ۔ان کے بارے میں فرمایا اولئک ھم المفلحون ۔یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔یعنی ہر مطلوب ان کو حاصل ہوگا اور ہر ناگوار معاملہ سے بچ جائیں گے۔

انصار کی پہلی صفت اور فضیلت یہ ہے کہ اس شہر میں رہتے تھے جو اللہ کے نزدیک دار الہجرت اور دار الایمان بننے والا تھا۔مدینہ طیبہ کی یہ خاص فضیلت ہے کہ دیگر تمام شہر جہاد کے ذریعہ فتح ہوئے صرف مدینہ وہ شہر ہے جو ایمان سے فتح ہوا اسی لئے اس کو دار الایمان کہا گیا۔

دوسری صفت ان کی یحبون من ھاجر الیھم ہے۔یعنی انھوں نے اجڑے ہوئے اور خستہ حال لوگوں کو اپنا بھائی بنالیا اور اپنی تمام محبتیں ان کیلئے نچھاور کردیں۔

ان کی تیسری صفت بیان فرمائی: ولایجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ۔یعنی مال غنیمت میں سے جو کچھ مہاجرین کو دیا گیا اس کو انھوں نے خوشی خوشی قبول کرلیا اور کسی ناگواری کا ایک لفظ بھی ان کی زبانوں پر نہیں آیا۔

چوتھی صفت ان کی اللہ نے بیان فرمائی ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ۔یعنی یہ حضرات انصار اپنے اوپر مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود ضرورتمند ہوں اس میں ان کی انسانی ہمدردی، ایثار ومحبت کا جذبہ چھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔

تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ان دونوں طبقوں (مہاجرین و انصار) کے بعد قیامت تک آنے والوں کا ہے۔ان کی ذمہ داری اور فریضہ بتایا گیا:

والذین جاؤ وا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین

سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم۔ (سورہ حشر: پ ۲۸)

اور وہ لوگ جو بعد میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے پروردگار! ہ.ری بھی مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں سے کوئی بغض نہ پیدا کر، اے ہمارے رب یقیناً آپ بڑے نرم و مہربان ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد والے جتنے مسلمان ہیں ان کا ایمان و اسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں اور ان کے لئے دعا کرتے ہوں۔ جس میں یہ شرط نہیں پائی جاتی وہ مسلمان کہلانے کے قابل نہیں۔ [۱]

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مہاجرین و انصار صحابہؓ کے لئے استغفار کرنے کا حکم سب مسلمانوں کو دیا ہے اور یہ حکم اس حال میں دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے آپس میں جنگ و جدال کے فتنے بھی پیدا ہوں گے۔ (اس لئے کسی مسلمان کو مشاجرات صحابہؓ کی وجہ سے ان میں کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں ہے)

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وفی الآیۃ حث علی الدعاء للصحابۃ وتصفیۃ القلوب من بغض احدمنھم۔ [۲]

یعنی اس آیت میں تمام صحابہ کرامؓ کے لئے دعا کرنے اور کسی ایک صحابی کے بغض سے دلوں کو پاک و صاف رکھنے کی ترغیب ہے۔

---

۱ معارف القرآن ج: ۸ ص ۳۸۱ ۲ روح المعانی ج: ۲۸ ص ۵۴

حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ آیات مدح مہاجرین کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان آیتوں میں حق تعالیٰ سبحانہ نے مہاجرین کی عجیب شان بیان فرمائی ہے ،جس سے صاف ظاہر ہے کہ خلاصۂ امت مرحومہ وہی ہیں ،اس خوانِ نعمت پر جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھایا ہے ،اصلی مہمان مہاجرین ہیں ،باقی سب ان کے طفیلی ہیں ،جس کو ان کے طفیلی بننے سے انکار ہو وہ اس خوانِ نعمت کی خوشبو بھی نہیں پاسکتا۔ [۱]

حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ مہاجرین کی بدگوئی کر رہا تھا ،انھوں نے اس کے سامنے یہی آیتیں پڑھیں اور فرمایا کہ کیا تو مہاجرین میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں ،پھر فرمایا: کیا تو انصار میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں ،فرمایا: تو اس تیسرے گروہ میں سے ہے ،اس نے کہا ہاں! امید ہے کہ میں اس گروہ میں سے ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: جو شخص مہاجرین و انصار کو برا کہے وہ تیسرے گروہ میں سے بھی نہیں ہوسکتا۔ [۲]

(۹) والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجري تحتها الانهر خلدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم ۔(توبہ ،آیت: ۱۰۰)

اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں ،اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے ،اور تیار کر رکھے ہیں ان کے واسطے باغ کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ،رہیں گے اس میں ہمیشہ ،یہی ہے بڑی کامیابی۔

حضرت امام اہل سنتؒ فرماتے ہیں:

---

[۱] آیات مدح مہاجرین ص ۱۸۲ اور تفسیر آیات خلافت و امامت [۲] تفسیر آیات مدح مہاجرین ص ۱۸۴ بحوالہ ازالۃ الخفاء۔

"اس آیت میں حق تعالیٰ نے سابقین اولین مہاجرین وانصار کے فضائل بغیر کسی شرط کے بیان فرمائے ہیں۔ (۱) ان کو مابعد والوں کا مقتدا اور متبوع قرار دیا۔ الذین اتبعوھم میں وہ صحابہ کرامؓ جو سابقین اولین کے بعد ہوں وہ بھی داخل ہیں اور ان کے بعد کے مسلمان بھی قیامت تک داخل ہیں۔ غرضیکہ سابقین اولین تمام امت کے مقتدا و پیشوا ہیں (۲) فرمایا خدا ان سے راضی وہ خدا سے راضی (۳) فرمایا ان کیلئے جنت کے باغ تیار کئے گئے ہیں یعنی جنت کے مخصوص طبقات ان کے لئے ہیں (۴) ان کی حالت کو فوزِ عظیم فرمایا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مہاجرین وانصار کی اتباع واقتدا من جانب اللہ تمام امت پر فرض ہے۔ یہ ہے اصلی امامت اور حقیقی افتراضِ طاعت جس پر سیکڑوں خانہ ساز امامتیں قربان ہیں۔ [۱]

اس رضوانِ خداوندی میں تمام صحابہ کرامؓ داخل ہیں، یہ سابقین اولین اور بعد میں ایمان لانے والے کون ہیں؟ اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ بعض مفسرین نے صحابہ کرامؓ میں سے سابقین اولین ان کو قرار دیا ہے، جنھوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے، یعنی تحویلِ قبلہ سے پہلے جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے وہ سابقین اولین ہیں۔ بعض نے کہا کہ سابقین اولین وہ صحابہ ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے بعض نے کہا حدیبیہ کی بیعتِ رضوان میں جو شریک ہوئے وہ سابقین اولین ہیں۔ ہر قول کے مطابق باقی صحابہ خواہ مہاجرین ہوں یا انصار سابقین اولین کے بعد دوسرے درجہ والے والذین اتبعوھم باحسان میں داخل ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ اس مقام پر لکھتے ہیں:

یاویل من ابغضھم او سبھم او ابغض او سب بعضھم .... فاین ھؤلاء من الایمان بالقرآن اذیسبون من رضی اللہ عنھم۔ [۲]

---

[۱] تفسیر آیات مدح مہاجرین ص ۱۷۸ [۲] ابن کثیر ج:۲ ص ۳۸۴

ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو ان تمام حضرات یا ان میں سے بعض سے بغض رکھیں یا ان کو بُرا کہیں.... ایسے لوگوں کو ایمان بالقرآن سے کیا واسطہ جو اُن لوگوں کو برا کہتے ہیں جن سے اللہ نے راضی ہونے کا اعلان کر دیا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہیں:

''جو لوگ صحابہ کرامؓ کے باہمی مشاجرات اور ان میں پیش آنے والے واقعات کی بناء پر بعض صحابہ کرام کے متعلق ایسی تنقیدات کرتے ہیں جن کو پڑھنے والوں کے قلوب ان کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہو سکیں وہ اپنے آپ کو ایک خطرناک راستے پر ڈال رہے ہیں نعوذ باللہ منہ۔[1]

ابن عبدالبرؒ مقدمہ استیعاب میں اس آیت کریمہ پر لکھتے ہیں:

ومن رضی الله عنهم لم یسخط علیه ابدا۔ انشاء الله تعالیٰ۔

مطلب صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو سب اگلی پچھلی چیزوں کا علم ہے، وہ راضی اس شخص سے ہو سکتے ہیں جو آئندہ زمانہ میں بھی رضا کے خلاف کام کرنے والا نہیں ہے اس لئے کسی کے واسطے رضائے الٰہی کا اعلان اس کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور انجام بھی اسی حالت صالحہ پر ہوگا اور اس سے رضائے الٰہی کے خلاف کوئی کام آئندہ بھی نہ ہوگا۔ اس سے ان مخالفین صحابہؓ کے اس شبہ کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے یہ اعلانات اس وقت کے ہیں جبکہ ان کے حالات درست تھے بعد میں معاذ اللہ ان کے حالات خراب ہو گئے اس لئے وہ اس انعام و اکرام کے مستحق نہیں رہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ کیونکہ اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شروع میں انجام سے بے خبر ہونے کی وجہ سے راضی ہو گئے تھے بعد میں یہ حکم بدل دیا یعنی اللہ کو بدا ہو گیا۔

[1] معارف القرآن ج ۴ ص ۴۵۰

(۱۰) ولکن الله حبب الیکم الایمان وزینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک هم الراشدون فضلا من الله ونعمة والله علیم حکیم۔ (سورۂ حجرات۔ پ ۲۶)

لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارے لئے محبوب کردیا اور اس کو تمھارے دلوں میں مزین فرمایا اور کفر وفسق اور نافرمانی کو تمھارے لئے مکروہ بنادیا، ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل اور نعمت سے ہدایت یافتہ ہیں اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔

اس آیت میں بھی بلا استثنا تمام صحابہ کرامؓ کے لئے یہ فرمایا گیا کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر وفسق اور گناہوں سے نفرت ڈال دی ہے۔

## ایک شبہ کا ازالہ

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کفر وفسق سے دور تھے۔ لیکن قرآن کریم کی آیت مبارکہ "ان جاء کم فاسق بنبأ" صحابی رسول حضرت ولید بن عقبہؓ کے متعلق نازل ہوئی جس میں ان کو فاسق کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں کوئی فاسق بھی ہوسکتا ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ معصوم نہیں، اُن سے گناہ کبیرہ بھی سرزد ہوسکتا ہے جو فسق ہے اور اس گناہ کے وقت ان سے وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں یعنی شرعی سزا جاری کی جائے گی لیکن اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ قرآن و سنت کی نصوص کی روشنی میں یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو ہوسکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک نہ ہوگیا ہو۔ صحابہ کرامؓ کی اتنی عظیم جماعت میں سے گنے چنے لوگوں سے گناہ سرزد بھی ہوا ہے لیکن انھوں نے فوراً توبہ کرلی، کسی نے اپنے کو سزا کے لئے پیش کردیا، کسی نے مسجد کے ستون سے اپنے کو باندھ لیا وغیرہ۔ پھر اللہ

نے ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان بھی کردیا، اور نبی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق وہ ایسے ہوگئے جیسے کہ گناہ کیا ہی نہیں۔ لہٰذا اگر زمانہ رسول میں کسی صحابی سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہوا جو فسق کا سبب بن گیا اور اس کو فاسق کہا بھی گیا تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس فسق کا تذکرہ اب تک کیا جائے اور اس کو معاذ اللہ فاسق ہی سمجھا جائے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے روح المعانی ج:۲۶ ص ۱۴۴، ۱۴۵)

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت اگرچہ حضرت ولید بن عقبہؓ کے بارے میں نازل ہوئی لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان ہی کو اس میں فاسق کہا گیا ہو، اسلئے کہ اس سے پہلے کوئی ایسا عمل ان سے نہیں ہوا تھا جس سے ان کو فاسق کہا جائے۔ اس واقعہ میں بھی جوانھوں نے بنی المصطلق کے لوگوں کی طرف ایک غلط بات منسوب کی وہ بھی اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھ کر کی اگرچہ وہ واقع میں غلط تھی۔ اس لئے مفسرین کے مسلمہ اصول اور ضابطہ" العبرۃ لعموم اللفظ لا بخصوص السبب" کے مطابق یہاں فاسق کی خبر کے غیر مقبول ہونے کے سلسلہ میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے اور واقعہ مذکورہ پر اس آیت کے نزول سے اس کی مزید تاکید اس طرح ہوگئی کہ ولید بن عقبہؓ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرائن قویہ کے اعتبار سے نا قابل قبول نظر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان کی خبر پر کوئی اقدام کرنے سے پہلے حضرت خالدؓ بن ولید سے تحقیقات کرالیں۔ تو جب ایک ثقہ اور صالح آدمی کی خبر پر شبہ ہوجانے سے قبل از تحقیق عمل نہیں کیا گیا تو کسی فاسق کی خبر پر بلا تحقیق کیسے عمل کیا جاسکتا ہے۔

اس جگہ فضائل صحابہؓ کی تمام آیات کا استیعاب مقصود نہیں صرف تبرکاً عشرہ مبشرہ کی تعداد کے مطابق دس آیات قرآنیہ ذکر کردی ہیں اور اختصار کیساتھ ان کی ضروری وضاحت کردی گئی ہے۔ اس کی روشنی میں جو شخص کتاب اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس

ہے لئے تمام صحابہ کرامؓ کے حق میں جنتی ہونے کا یقین رکھنا لازم ہے اور ان مقدس جماعت کے ہر ہر فرد سے ہر قسم کی بدظنی، بدگمانی اور بدزبانی سے بچنا واجب ہے۔ اسی لئے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ: ان آیتوں کے ہوتے ہوئے اگر لاکھوں روایتیں کیسی ہی صحیح السند صحابہ کرامؓ سے خلاف ایمان، خلاف تقوی کسی حرکت کا صادر ہونا بیان کریں تو ایماندار کا فرض ہے کہ ان روایتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے، قرآن مجید کے خلاف کوئی روایت اور کوئی چیز مقبول نہیں ہو سکتی۔

(تفسیر آیات متفرقہ تیسری آیت)

## مقام صحابہؓ احادیث کی روشنی میں

فضائل صحابہؓ کے سلسلہ میں چند آیات قرآنیہ کے بعد ذخیرۂ احادیث سے بھی ان حضرات کی قدر و منزلت پر مشتمل چند روایات پیش کی جا رہی ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور امت کو ان کے متعلق کیا رائے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

خاص خاص افراد اور جماعت کے جو فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں وہ احادیث کی کتابوں میں "باب المناقب" کے عنوان سے موجود ہیں جو خاصے طویل ہیں ان کے بیان کا یہاں موقع نہیں صرف ایسی چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن میں پوری جماعت کے فضائل و خصوصیات کا تذکرہ ہے۔

۱۔ صحیحین میں حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ [۱] بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو ان سے متصل ہے پھر ان لوگوں کا جو ان سے متصل ہے۔

---
[۱] مشکوٰۃ ص ۵۵۳

یعنی جن لوگوں نے میرا زمانہ پایا اور میرے ساتھ ایمان لائے وہ میرے اصحاب ہیں، یہ میری امت میں سب سے بہتر ہیں پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے ملنے والے ہیں اور ان سے قریب ہیں اور ایمان و یقین میں ان کے پیچھے چلنے والے ہیں، یہ تابعین ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں، یہ تبع تابعین ہیں۔

۳۔ صحیحین میں اور ابوداؤد و ترمذی میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاتسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا مابلغ مد احدهم ولا نصيفه۔ [1]

میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کردے تو صحابی کے ایک مد بلکہ آدھے مد کے ثواب کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کے اعمال کو دوسروں کے اعمال پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، ان کا ایک مُد (تقریباً ایک سیر) یا آدھا مُد خرچ کرنا دوسروں کے مقابلہ میں پہاڑ کے برابر وزن سے بڑھا ہوتا ہے۔ یہ برکت اور اثر ہے صحبت نبوی اور انکے اخلاص کا۔

عربی زبان میں ہر اُس کلام کو ''سَبّ'' کہا جاتا ہے کہ جس سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو، کسی صحابی کو ظالم، باغی، خاطی، عاصی جابر و جائر کہنا سب اس میں داخل ہے جس سے رسولِ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو منع فرمایا ہے۔

۳۔ ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اکرموا اصحابی فانهم خیارکم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔ [2]

میرے صحابہ کا احترام کرو عزت کرو (سابق ہوں یا لاحق ہوں، زندہ ہوں یا فوت شدہ ہوں) کیونکہ یہ بہترین اور پسندیدہ لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے ملتے ہیں

[1] مسلم ج: ۲ ص ۳۱۰ مشکوٰۃ ص ۵۵۳ [2] مشکوٰۃ ص ۵۵۴

(تابعین) اور پھر وہ لوگ جوان کے ساتھ ملتے ہیں (تبع تابعین)

۴۔ الله الله فی اصحابی لاتتخذوهم غرضا من بعدی من احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله ومن اذی الله یوشك ان یاخذه ۔ ؎

اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، میرے بعد ان کو (طعن و تشنیع کا) نشانہ نہ بنانا کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا پہونچائی اس نے مجھے ایذا پہونچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا پہونچائی (یعنی اللہ کو ناراض کیا) اور جو اللہ کو ایذا پہونچانا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحبؒ فرماتے ہیں:

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص ان سے محبت کرے وہ ان کے اعمال، مقامات اور ان کی قربانیوں کی وجہ سے ان سے محبت کرے۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ ان کی محبت کی لم (وجہ) ان کی نبی اقدس ﷺ سے نسبت ہے۔ ظاہر ہے کہ جن کے کمالات ان کے اعمال پر مبنی نہیں ان کے اعمال سے بحث ایک بے جا حث ہے۔ اللہ تعالی نے انہیں جو شان دی ہے وہ نسبت رسول اللہ ﷺ سے دی ہے اور وہ مقام صحابیت ہے۔ (سبحان اللہ) ؎

یہ حدیث ان حضرات کی تنبیہ کے لئے کافی ہے جو تاریخ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اس کی ہر رطب و یابس، مستند و غیر مستندات، تاریخی افسانے اور داستانیں ان کے نزدیک اہم ثبوت بن جاتے ہیں اور اس کے سہارے صحابہ کرامؓ کو آزادانہ تنقید کا نشانہ

---

؎ ترمذی شریف ج: ۲ ص ۲۲۵، مشکوٰۃ ص ۵۵۴ ؎ سیرت حضرت معاویہ حصہ اول ص ۳۴

بناتے ہیں اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کو دیکھنے والا ان سے بدگمان ہو جائے یا کم از کم ان کا اعتماد اس کے دل میں نہ رہے۔ کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت نہیں ہے؟

۵۔ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:

اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة اللہ علیٰ شرکم۔ ۱

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو تو میرے صحابہؓ کو برا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو کہ اللہ کی لعنت اس پر جو تم میں سے بدتر ہے۔

اس حدیث میں صحابی کو برا کہنے والے کو بدتر اور مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے۔ یعنی مستحق لعنت تو درحقیقت صحابہ کرامؓ کو برا کہنے والا ہے کیونکہ وہ تمام انسانوں میں سب سے بدتر ہے۔

۶۔ ابوداؤد طیالسیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے واسطے سے روایت نقل کی ہے:

ان اللہ نظر فی قلوب العباد فنظر قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فبعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجد قلوب اصحابہ خیر قلوب العباد فاختارھم لصحبة نبیہ و نصرۃ دینہ۔ ۲

اللہ تعالیٰ نے سب بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمد ﷺ کے قلب مبارک کو ان میں سب سے بہتر پایا تو ان کو اپنی رسالت کیلئے مقرر کردیا، پھر قلب محمد ﷺ کے بعد دوسرے بندوں کے قلوب پر نظر ڈالی تو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب کو دوسرے سب بندوں کے قلوب سے بہتر پایا تو ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین کی نصرت کیلئے منتخب فرمالیا۔

۷۔ رعویم بن ساعدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

۱ ترمذی ج:۲ ص ۲۲۵۔ مشکوٰۃ ص ۵۵۴    ۲ سفارینی شرح الدرۃ المضیۃ ص ۳۸۰

ان الله اختارني واختار لي اصحابي فجعل منهم وزراء واختانا واصهارا فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين لا يقبل الله منه يوم القيمة صرفا و عدلا۔ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے میرا انتخاب فرمایا اور میرے لئے صحابہ، داماد اور قرابتداروں کا انتخاب کیا۔ تو جوان کو برا کہے اس پر اللہ کی، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ اللہ قیامت کے دن ان کی کوئی فرض و نفل عبادت قبول نہیں کرے گا۔

۸۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انہ من یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا و عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ۔ [2]

تم میں جو شخص میرے بعد رہے گا تو بہت اختلافات دیکھے گا تو تم لوگوں پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدینؓ کی سنت کو اختیار کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوط تھامو اور نوایجاد اعمال سے پرہیز کرو کیونکہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

۹۔ عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد حضرت بریدہؓ سے ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من احد من اصحابی یموت بارض الابعث قائدا و نورا لھم یوم القیامۃ۔ [3]

''میرے صحابہؓ میں سے جو صحابی جس علاقہ میں فوت ہوا ہے وہ قیامت کے دن

---

[1] تفسیر قرطبی سورۃ الفتح۔ مجمع الزوائد ص ۱۲،۱۰ [2] رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ۔ سفارینی ص ۲۸۰۔ مشکوٰۃ ص ۳۰ [3] رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابہ فصل ثانی

اس زمین والوں کا قائد اور نور ہدایت بنا کر لایا جائے گا۔

۱۰۔ عن ابی امامة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال طوبی لمن رانی وطوبیٰ سبع مرات لمن لم یرنی وامن بی ۔[1]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بشارت اور سعادتمندی ہے اس کے لئے جس نے مجھ کو دیکھا (اور مجھ پر ایمان لایا) اور سات بار بشارت ہے اس کے لئے جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔

صحابہ کرامؓ کی توقیر و عظمت ثابت کرنے کے لئے روایات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے چند روایات یہاں ذکر کردی گئی ہیں ان میں صحابہؓ کے مقام و منزلت کو بیان کیا گیا ہے، ان کی مدح وثنا اور جنت کی بشارت زبان رسالت نے دی ہے، ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھنے کا حکم اور برا کہنے پر سخت وعید بھی سنائی ہے۔

اس کے بعد اس پاکیزہ، پسندیدۂ خدا و رسول جماعت کے بارے میں امت کا کیا عقیدہ اور نظریہ ہے اس کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تاکہ عمومی طور پر امت کا رجحان ان کے بارے میں معلوم ہو سکے اور مسلمان اجماع امت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں اور "مَن شَذَّ شُذَّ فِی النَّار" کی وعید سے محفوظ رہیں۔

## مقامِ صحابہؓ امت کی نظر میں

حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں امت محمدیہ کا موقف اور نظریہ ہمیشہ وہی رہا ہے جو یہاں قرآن و حدیث کی نصوص سے اوپر ثابت کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت صحابہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید اور اہتمام کے ساتھ وہ

---

[1] رواہ احمد (مشکوٰۃ ص ۵۸۴)

ضروری امور بتا دیئے تھے جو امت کو ان کے بارے میں اختیار کرنا چاہئے اور پوری احتیاط کے ساتھ اس پر عمل کرنا چاہئے۔ چنانچہ صحابہ کرام حکم رسول ﷺ پر پوری طرح عمل کرتے رہے۔

خیر القرون کا دوسرا دور حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ اس دور کے تابعین میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ افضل ترین مانے گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک خط میں مقامِ صحابہؓ کی وضاحت کرتے ہوئے لوگوں کو اس کے پابند ہونے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ مکتوب حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف میں سند کے ساتھ موجود ہے۔ مکتوب ملاحظہ ہو:

"پس تمہیں چاہئے کہ اپنے لئے وہی طریقہ اختیار کرو جو قوم (صحابہ کرامؓ) نے اپنے لئے پسند کر لیا تھا اس لئے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے وہ علم کے ساتھ ٹھہرے اور انہوں نے جس چیز سے لوگوں کو روکا ایک دور بین نظر کی بنا پر روکا، بلاشبہ وہی حضرات دقیق حکمتوں اور علمی الجھنوں کے کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے وہی مستحق تھے۔ پس اگر ہدایت اس طریقہ میں مان لی جائے جس پر تم ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم فضائل میں ان سے بڑھ گئے (جو بالکل محال ہے)![1]

علامہ سفارینی اپنی کتاب الدرر المضیۃ اور اس کی شرح لوامع انوار البہیہ میں اہل سنت و جماعت کا صحابہؓ کے سلسلہ میں متفقہ عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ تمام صحابہ کو پاک وصاف سمجھے اور ان کے لئے عدالت ثابت کرے ان پر اعتراض کرنے سے بچے اور ان کی مدح وتوصیف کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

[1] ابوداؤد، بحوالہ مقام صحابہؓ ص ۶۲، از مفتی محمد شفیع صاحب

کتاب عزیز کی متعدد آیات میں ان کی مدح وثنا کی ہے۔'' [1]

عقائد کی مشہور کتاب عقائد نسفیہ میں ہے:

"و نکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر" یعنی اسلام کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ذکر بجز خیر و بھلائی کے نہ کرے۔ [2]

علامہ سید شریف جرجانیؒ نے شرح مواقف مقصد سابع میں لکھا ہے:

انہ یجب تعظیم الصحابۃ کلھم و الکف عن القدح فیھم لان اللہ عظیم واثنیٰ علیھم فی غیر موضع من کتابہ و الرسول ﷺ قد احبھم واثنیٰ علیھم فی الاحادیث الکثیرۃ۔

تمام صحابہؓ کی تعظیم کرنا ضروری ہے اور ان پر اعتراض سے بچنا واجب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ عظیم ہے اور اس نے ان حضرات کی اپنی کتاب میں بہت سے مقامات میں مدح وثنا فرمائی ہے..... اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان حضرات سے محبت فرماتے تھے اور آپ نے بہت سی احادیث میں ان کی توصیف و تعریف کی ہے۔

شارح مواقف نے ایک مقام پر بعض اہل سنت کی طرف نسبت کر کے یہ قول ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والوں کی خطا تفسیق کی حد تک پہنچتی ہے۔ لیکن شارح مواقف کا یہ قول کس بنیاد پر ہے، اس کی بنیاد کا پتہ نہیں، اہل سنت کے کسی مستند عالم کے نزدیک یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ انھوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی وجہ سے حضرت عائشہؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ وغیرہ کو فاسق کہا ہو۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اس قول کی سخت تردید کی ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

''اور یہ جو شارح مواقف نے کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس مسلک پر

[1] عقیدہ سفارینی ج ۲ ص ۳۸۸ [2] شرح عقائد نسفی ص ۱۱۶ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۶ء

ہیں کہ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ اجتہاد پر مبنی نہیں تھی۔ اس میں نہ جانے اصحاب سے کون سا گروہ مراد لیا ہے؟ اہل سنت کا عقیدہ تو اس کے خلاف ہے۔ علماء امت کی کتابیں خطائے اجتہادی کی تصریح سے بھری ہوئی ہیں جیسے کہ امام غزالی، قاضی ابوبکر ابن العربی، وغیرہ نے بصراحت لکھا ہے۔ لہٰذا حضرت علی سے جن حضرات نے جنگ کی انہیں فاسق یا گمراہ کہنا جائز نہیں ہے...... اور بعض فقہاء کی عبارتوں میں حضرت معاویہؓ کے حق میں "جور" کا لفظ آ گیا ہے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ امام جائر تھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ان کی خلافت برحق نہ تھی، اس سے وہ ظلم و جور مراد نہیں ہے جس کا نتیجہ فسق اور گمراہی ہے...... ان حضرات کے لئے اہل سنت "خطا" کے لفظ سے زیادہ کوئی لفظ کہنا جائز نہیں سمجھتے۔"[1]

مشائخ صوفیہ میں ایک عظیم المرتبت شیخ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں:

لم یؤمن بالرسول من لم یوقر اصحابہ ولم یعزز اوامرہ۔[2]

جو صحابہؓ کی توقیر نہ کرے اور آنحضرت ﷺ کے احکام کا احترام نہ کرے وہ رسول پر ایمان نہیں رکھتا۔

## جنگِ جمل اور صفین کے سلسلہ میں اہل حق کا موقف

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں چوتھے خلیفہ ہیں، اہل ایمان کے سرتاج اور محبوب الامت ہیں، حضرت عثمان غنیؓ کے بعد پوری جماعت صحابہؓ میں سب سے افضل ہیں۔ سنہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ ہوئے تین دن کم پانچ سال خلافت پر متمکن رہے۔ آپ کا پورا زمانہ

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر اول، حصہ چہارم مکتوب ۲۵۱، ص ۶۷، جلد دوم مطبوعہ نور کمپنی لاہور [2] شرح شفاء: ۲، ص ۹۷

خلافت آپسی لڑائیوں میں صرف ہوگیا۔ تین لڑائیاں آپ کو پیش آئیں: اول جنگ جمل جس میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑنا پڑا، دوم جنگ صفین جس میں حضرت معاویہؓ اور اہلِ شام سے مقابلہ ہوا۔ تیسری جنگ نہروان ہے جس میں خوارج سے مقابلہ ہوا۔ آپؓ کی یہ آخری لڑائی تمام صحابہؓ کے نزدیک پسندیدہ تھی مگر جنگِ جمل اور صفین (۱) کو اکثر صحابہؓ نے ناپسند کیا اور بہت سے محتاط لوگ ان لڑائیوں سے الگ رہے۔

جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں جنگِ جمل پیش آئی جس میں ایک جانب حضرت علی مرتضیٰؓ تھے اور دوسری طرف ام المومنین حضرت عائشہؓ اور عشرہ مبشرہ میں سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تھے۔ دونوں جانب اکابر صحابہؓ تھے مگر یہ لڑائی دھوکہ میں مفسدوں کی حیلہ سازی سے پیش آگئی، یہ حضرات حضرت علی مرتضیٰؓ سے خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے کے سلسلے میں مصالحت کی خاطر کوفہ کیلئے روانہ ہوئے تھے تاکہ اس پیچیدہ صورتِ حال میں فتنہ وفساد سے بچ کر امن دامان کی شکل نکالی جائے لیکن تقدیر الٰہی کچھ اور تھی۔ بصرہ کے قریب مفسدوں کی فتنہ پردازی سے جنگ ہوگئی اور دونوں طرف سے تقریباً تیرہ ہزار مسلمان شہید ہوئے خود حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی اسی جنگ میں شہید ہوگئے۔

اس جنگ کے ایک سال بعد صفر ۳۷ھ میں حضرت معاویہؓ سے مقابلہ ہوا، کئی دن کی سخت خوں ریزی کے بعد لڑائی موقوف ہوئی تب تک مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد شہید ہوچکی تھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اس لڑائی کی بنیاد بھی یہی تھی کہ حضرت معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے قتل کا قصاص چاہتے تھے اور حضرت علیؓ کی رائے تھی کہ بلوائیوں کی قوت زیادہ ہے ابھی ان سے

---

(۱) اس جنگ میں چونکہ حضرت عائشہؓ جمل (اونٹ) پر سوار تھیں اس لئے اس کو جنگ جمل کہا جاتا ہے۔ صفین بلاد شام سے متصل ... ایک مقام ہے یہ جنگ اسی مقام پر ہوئی تھی اس لئے اس کو جنگ صفین کہتے ہیں۔

قصاص نہیں لیا جاسکتا۔ حضرت معاویہؓ کہتے تھے کہ آپ ان کے درمیان سے ہٹ جائیں تو میں ابھی ان سے قصاص لے لوں گا۔ اس بات میں اتنا طول ہوا کہ جنگ کی نوبت آگئی۔

یہ جنگ کیوں پیش آئی؟ وضاحت کیلئے فریقین کا موقف جان لینا مناسب ہے۔

## حضرت علیؓ کا موقف

امیر المومنین حضرت علیؓ کا موقف یہ تھا کہ مہاجرین وانصار نے میری بیعت قبول کر لی ہے اس لئے اہل شام کو بھی میری بیعت واطاعت کرنا ضروری ہے اگر نہیں کریں گے تو قتال ہوگا۔

نیز آپ کی رائے یہ تھی کہ میں خلیفہ ہوں لہٰذا وہ پہلے میری بیعت کریں پھر خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ پیش کریں اس کے بعد شرعی فیصلہ کیا جائے گا۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

فقال لهم علی رضی الله عنه :ادخلوا فی البیعة واطلبوا الحق تصلوا الیه [1]

حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ: پہلے بیعت کرلو پھر حق (قصاص) کا مطالبہ کرو حق تم کو مل جائے گا۔

## حضرت معاویہؓ کا موقف

دوسری طرف حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت جس میں متعدد صحابہ کرامؓ موجود تھے ان کی رائے یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ ظلماً شہید کئے گئے ہیں اور ان کے قاتل حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہیں۔ ان سے قصاص لیا جائے۔ ہمارا مطالبہ صرف یہی ہے۔ خلافت کے بارے میں ہمارا کوئی نزاع نہیں ہے۔

نیز چونکہ قاتلین عثمانؓ آپ کے لشکر میں ہیں اور ان کو شرعی سزا نہیں دی جارہی

[1] تفسیر قرطبی۔ سورہ حجرات ج ۱۶ ص ۳۱۸، الاصابہ ج ۳ ص ۵۰۱

ہے اس لئے ہم اس وقت تک بیعت نہیں کریں گے جب تک قصاص نہیں لیا جاتا۔ اگر اس سے آپ عاجز ہیں تو ان کو ہمارے حوالہ کر دیں ہم ان سے قصاص لے لیں گے۔

ابن ابی شیبہ حضرت معاویہ کا قول ذکر کرتے ہیں:

قال معاویة : ماقاتلت علیا الا فی امر عثمان [1]

حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے میرا قتال صرف خون عثمان کے سلسلہ میں ہے۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض جاہلوں اور معاندین معاویہؓ کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ قصاص طلب کرنے کا آئینی حق مقتول کے ورثاء کو ہوتا ہے اور حضرت معاویہؓ عثمان غنیؓ کے وارث نہ تھے۔ اس لئے ان کو مطالبۂ قصاص کا کوئی حق نہیں تھا۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حضرت معاویہؓ کے ذریعہ مطالبۂ قصاص کو غیر آئینی قرار دینا معلومات کی کمی کی وجہ سے ہے اور اس معاملہ میں معترضین کے مطالعہ کا پہلو بہت کمزور ہے کیونکہ اکابر علماء نے اس اشکال کو دور کر دیا ہے۔ اہل سنت اور شیعوں کے بڑے بڑے علماء کی اس سلسلے میں تائید ملتی ہے۔ چنانچہ سلیم بن قیس ہلالی شیعہ لکھتے ہیں:

ان معاویة یطلب بدم عثمان ومعه ابان بن عثمان وولد عثمان ۔ [2]

ترجمہ: خون عثمانؓ کے مطالبہ قصاص میں امیر معاویہؓ کے ساتھ ابان بن عثمان اور حضرت عثمانؓ کے دیگر فرزندان شامل تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ:

''ابو مسلم خولانی اپنی جماعت کے ساتھ (حضرت معاویہؓ کے پاس) گئے اور کہا کہ آپ علیؓ سے مقابلہ کر رہے ہیں، کیا آپ ان کے جیسے ہیں؟ حضرت معاویہؓ نے

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ص ۹۲ [2] کتاب سلیم بن قیس الکوفی الہلالی العامری ص ۱۵۳ مطبوعہ نجف اشرف

کہا کہ: اللہ قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے بہتر اور افضل ہیں نیز خلافت کے بھی ہم سے زیادہ مستحق ہیں لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت عثمان ظلماً قتل کر دیئے گئے ہیں اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں" وامرہ الی" اور یہ معاملہ میرے سپرد کیا گیا ہے۔'' [1]

معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ وارثین عثمان کی طرف سے وکیل تھے اسلئے انہوں نے قصاص کا مطالبہ اپنی طرف سے نہیں کیا تھا بلکہ حضرت عثمان غنیؓ کے وارثوں کی طرف سے نائب بن کر کیا تھا۔

فریقین کے دونوں قائد مخلص تھے، مجتہد تھے اور دونوں کے ساتھ بہت سے صحابہ کرامؓ بھی تھے تاہم اس موقع پر کچھ شریر عناصر کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا جن کی شرپسندی سے بدظنی پھیلی اور معاملہ کو سلجھانے کے بجائے اور الجھا دیا گیا جس سے مسلمانوں میں ایک عظیم فتنہ برپا ہوا اور انتہائی افسوسناک صورت حال پیدا ہوگئی جس کے مہلک نتائج سے امتِ مسلمہ نہ بچ سکی اور ہمیشہ کے لئے اختلافی مباحث کا دروازہ کھل گیا۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

فتراسلوا فلم یتم لهم امر فوقع القتال الی ان قتل من الفریقین۔ [2]

یعنی دونوں طرف سے خط وکتابت ہوئی مگر معاملہ نہ بن سکا اور قتال کی نوبت آگئی جس میں دونوں جماعتوں کے بہت سے لوگ مقتول ہوئے۔

## اصلاح کی ایک اور کوشش

ان سخت ترین حالات میں جب مسلمانوں کی تلواریں اپنے مسلمان بھائیوں کے خون سے تر ہورہی تھیں ایک اصلاحی کوشش سامنے آئی اور شر وفساد کو مٹانے کے لئے

---

[1] البدایہ ج:۸،ص ۱۲۹ [2] فتح الباری ج:۱۳،ص ۷۳

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ ایک تدبیر پر متفق ہوئے جس کو "تحکیم" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اہل شام کی طرف سے لڑائی ختم کرنے کیلئے یہ تدبیر آئی کہ "فریقین کتاب اللہ کا فیصلہ تسلیم کرلیں۔" سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً مصالحت کی اس دعوت کو قبول کرلیا اور طے ہوگیا کہ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق دونوں فریق عمل کریں گے، اس پر لڑائی بند ہوگئی۔ اب دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کردیا گیا جو اس اختلافی مسئلہ کو طے کرے۔

چنانچہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرف حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاویہؓ کی جانب سے حضرت عمرو بن العاصؓ حکم بنائے گئے۔ کوفہ اور شام کے درمیان "دومۃ الجندل" کے قریب "اذرح" نامی مقام پر یہ اجتماع طے ہوا۔

رمضان ۳۷ھ میں یہ حضرات اکٹھا ہوئے اور جو دیگر اکابر امت شامل ہوئے ان کے نام علامہ ابن کثیر نے ذکر کئے ہیں جیسے عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبدالرحمن بن حارث مخزومیؓ، ابوجہم بن حذیفہؓ، عبدالرحمن بن عبدیغوث الزہریؓ، وغیرہم۔ دونوں بزرگوں کی رائے ہوئی کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو ان کے منصب سے الگ کردیا جائے اور یہ معاملہ اکابر امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے وہ جس کو لائق سمجھیں خلافت کے لئے منتخب کرلیں، یا تو انہیں حضرات میں سے کسی کو یا ان کے سوا کسی دوسرے کو خلیفہ بنالیں۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

فلما اجتمع الحکمان تراوضا علی المصلحۃ للمسلمین ونظرافی تقدیر امور ثم اتفقا علی ان یعزلا علیاومعاویہ ثم یجعلا الامر شوری بین الناس یتفقوا علی الاصلح لهم منهما او من غیرهما۔ [1]

[1] البدایہ ج ۷ ص ۲۸۳

بہر حال اس مجمع میں اور بھی مختلف طرح کی رائیں آئیں اور بحث وتمحیص ہوتی رہی مگر اختلاف آراء کی وجہ سے انتشار ہوگیا اور کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہوسکا اور یہ آخری کوشش بھی ناکام ہوگئی۔

فریقین اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔اس کے بعد اہل شام نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر جاکر بیعتِ خلافت کرلی۔اس سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے نہ تو خلافت کا دعویٰ کیا تھا نہ ہی اس کیلئے کوئی بیعت لی تھی۔ابن خلدون کے مطابق یہ بیعت ذی قعدہ ۳۷ھ میں ہوئی۔ ؎ (تاریخ ابن خلدون ج:۳ ص ۱۱۲۵)

اس موقع پر مؤرخین کے یہاں دونوں حکم حضرات کے لئے طرح طرح کی تعبیریں ملتی ہیں جو حقائق اور واقعات کے بالکل خلاف ہیں۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ظاہر بین، سیاسی بصیرت سے عاری، معاملہ فہمی میں بودا کہنا اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو ''دھوکہ باز، اور فریب کار'' بنا کر پیش کرنا ان کی تحقیر وتنقیص کا تاثر پیدا کرتا ہے۔اس لئے ان ذی مرتبت اور صاحبِ فضائل صحابۂ کرامؓ کے عظیم الشان کارناموں، ان کے خلوص اور امانت ودیانت کی روشنی میں یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ان سب کی سندوں میں کوئی نہ کوئی رافضی موجود ہے، چاہے وہ ابومخنف لوط بن یحییٰ ہو یا کلبی۔اس لئے ان شیعی محترق (صحابہؓ کے نام سے جلنے بھننے والے) اخباری، ضعیف، متروک الحدیث، مدلس لوگوں کی رائے قرآن وحدیث اور اجماع امت کے مقابل کیسے صحیح قرار دی جاسکتی ہے۔یہ سراسر افتراء اور جھوٹ ہے۔

تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے اتنی بات ذہن میں رہے کہ واقعہ جمل یا صفین اپنی نوعیت کے لحاظ سے تاریخ اسلام کا بڑا نازک واقعہ ہے۔ان واقعات کے کچھ بھی

دوچار تھی۔ ان حالات میں اس بدامنی اور بے چینی کو دور کرنے کے لئے واقعہ تحکیم کے بعد بھی سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان خط وکتابت ہوئی تا کہ امت کو مزید شر وفساد سے جس طرح ہو سکے بچالیا جائے۔ چنانچہ ۴۰ھ میں فریقین میں صلح ہو گئی جسے ''معاہدہ جنگ بندی'' بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس صلح کی دفعات مندرجہ ذیل تھیں:

۱۔ عراق کا ملک اور اس کے ملحقات حضرت علیؓ کی حکومت میں رہیں گے۔

۲ ملک شام اور اس کے اطراف حضرت معاویہؓ کے ماتحت ہوں گے۔

۳ کوئی فریق دوسرے فریق کے علاقے پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کریگا اور قتال سے گریز کیا جائے گا۔

علامہ ابن کثیر اور علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

وفی هذہ السنة (٤٠) جرت بین علی و معاویه رضی الله عنهما "المهادنة" بعد مکاتبات بطویل ذکر ها علی وضع الحرب بینهما وان یکون ملك العراق لعلی ولمعاویة الشام ولا یدخل احدهما علیٰ صاحبه فی عمله بجیش ولا غارة ولا غزوة ثم ذکر ---وامسك کل واحد منهما عن القتال الأخر وبعث الجیوش الیٰ بلاده واستقرا لامر علی ذلك ۔ [1]

یعنی سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان خط وکتابت کے بعد جنگ بندی پر مصالحت ہو گئی اور یہ طے پایا کہ عراق پر حضرت علیؓ اور ملک شام پر حضرت معاویہؓ کی حکمرانی رہے گی، کوئی ایک دوسرے پر لشکر کشی نہ کرے گا اور غارت گری نہ ہوگی ۔۔۔ لڑائی رک گئی۔ لشکر اپنے اپنے شہروں کو لوٹ گئے اور معاملہ اسی پر طے ہو گیا۔

[1] البدایہ والنہایہ ج: ۷ ص ۳۲۳، ابن جریر طبری ج: ۶ ص ۸۱

یہیں سے حالات نے دوسرا رخ اختیار کیا۔ صحابہ کرامؓ اور مسلمانوں کے درمیان صلح دشمنانِ اسلام کیلئے کانٹا بن گئی۔ انھوں نے دیکھا کہ لڑائی کے بعد یہ پھر ایک دوسرے سے قریب ہونے لگے تو انہوں نے ان اکابر کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ تیار کرلیا۔ اسی سال ۴۰ھ میں منصوبہ کے تحت حضرت علی مرتضیٰ، امیر معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم پر ایک ہی وقت مقررہ پر حملہ کر دیا گیا۔ ان دشمنانِ اسلام یہود و مجوس کا آلہ کار خوارج تھے۔ چنانچہ ابن ملجم مرادی نے حضرت علیؓ کو، برک بن عبداللہ نے حضرت معاویہؓ کو اور عمرو بن بکر نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو قتل کرنے کا عہد لیا۔ (البدایہ ج: ۷، ص ۳۲۶) طے شدہ پروگرام کے مطابق ابن ملجم کوفہ، برک بن عبداللہ شام (دمشق) اور عمرو بن بکر مصر پہونچے اور ۱۷ر رمضان المبارک فجر کی نماز میں منصوبے کے تحت حملہ کر دیا۔ حضرت علیؓ حملہ میں زخمی ہوئے اور ۲۱ر رمضان ۴۰ھ کو شہید ہوگئے۔ حضرت معاویہ حملہ میں زخمی ہوئے لیکن بچ گئے اور حضرت عمرو بن العاص اس روز اتفاق سے بیمار تھے ان کے پولیس افسر خارجہ بن حبیبؒ نے نماز پڑھائی ان پر حملہ ہوا اور وہ بھی شہید ہوگئے۔ تینوں قاتلوں کو بھی ان کے کیفر کردار تک پہونچا دیا گیا۔

مخلصین نے اصلاحِ حال اور دفع شر و فساد کے لئے اپنی تمام تر کوششیں صرف کرنے میں تامل اور کوتاہی نہیں کی لیکن بندوں کی تدبیر پر اللہ کی تقدیر غالب رہتی ہے جن حالات میں یہ واقعات پیش آئے ہیں وہ نہایت ہنگامی اور نازک حالات تھے۔ اس میں علام الغیوب، مدبر الامور اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت اور مصلحت تھی اس کو معلوم کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ تاہم فقہائے کرام اور علمائے محققین نے لکھا ہے کہ دورِ نبوت میں کفار و مشرکین کے ساتھ جنگیں ہوئیں تو ان کے متعلقہ احکام اس وقت معلوم ہوگئے اور بعد کی اس جیسی جنگوں کے احکام میں ان سے کام لیا گیا لیکن اہل

اسلام میں آپسی جنگوں کے متعلق ان کے فقہی احکام (مثلاً غسل، جنازہ، کفن ودفن اور فراہم شدہ مال وغیرہ کے متعلق صراحتاً) معلوم نہ تھے اور اس کی کوئی مثال بھی نہیں تھی جنگ جمل وصفین پیش آنے کے بعد ان واقعات کے ذریعہ اس صورتِ حال کے احکام معلوم ہوئے۔ گویا یہ جنگیں ان مسائل کی تشریح کے لئے ایک تکوینی مصلحت اور حکمتِ خداوندی کا درجہ رکھتی ہیں۔

امام قرطبی احکام القرآن میں لکھتے ہیں:

ان حکمة الله تعالیٰ فی حرب الصحابة التعریف منهم لاحکام قتل اهل التاویل۔ اذ کان احکام اهل الشرک قد عرفت علیٰ لسان الرسول صلی الله علیه وسلم وفعله۔[1]

یعنی صحابہ کرامؓ کی آپس کی جنگوں کی (تکوینی) حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اہل شرک وکفر سے قتال کے احکام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے معلوم ہوگئے تھے لیکن اہل تاویل سے قتال کے احکام واضح نہیں تھے وہ صحابہؓ کی جنگوں کی وجہ سے معلوم ہوگئے۔

بہرحال محققین اہل علم کے خیال کے مطابق ان جنگوں سے پہلے مسلمانوں میں لڑائی ہوجانے کے متعلق بعض فقہی احکام پوشیدہ تھے اور ان کی تکوینی مصلحتیں بھی معلوم نہ تھیں جو ان کے وقوع کے بعد سامنے آئیں۔ اب ان حالات کو اللہ تعالیٰ کی لطیف وخبیر ذات ہی بہتر جانتی ہے کہ ایسا کیوں ہوگیا؟ یہ ہم لوگوں کی سمجھ سے بالاتر بات ہے اسی لئے اس سلسلہ میں سکوت اور زبان کو لگام دئیے رہنا ہی مناسب ہے۔ صحابہ کرامؓ کی ان دونوں جماعتوں کے علاوہ صحابہ کرامؓ ہی کا ایک گروہ وہ بھی تھا جو کسی طرف نہیں تھا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

---

[1] تفسیر قرطبی ج:۱۶ص ۳۱۹

"وکان من الصحابة فریق لم یدخلوا فی شئی من القتال" [1]

یعنی صحابہ کرام میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو ان جنگی واقعات میں کسی فریق کے ساتھ شامل نہیں ہوئی۔ وہ اس فتنہ سے الگ رہے۔

ان صحابہ کرام کا یہ غیر جانبدارانہ رویہ ہمارے لئے عملی سبق اور خاموش نصیحت ہے کہ ان جھگڑوں میں نہ پڑا جائے، جائز اور ناجائز ہونے کی بحثیں نہ کی جائیں، ایک فریق کی طرفداری میں دوسرے فریق پر الزامات نہ عائد کئے جائیں، تنقید وتنقیص کا دروازہ نہ کھولا جائے اور صحابہؓ کی اس پاکیزہ اور مخلص جماعت کے مقدمہ کو مؤرخین کی تحریروں سے نہیں بلکہ اللہ اور رسول اللہ کے فرمودات سے حل کیا جائے۔ اسی میں دین وایمان کی خیر وسلامتی ہے۔ اس لئے کہ یہ لڑائی کسی ذاتی عناد، نسبی خلش اور حصول اقتدار کے لئے نہیں تھی بلکہ ایک شرعی قانون اور دینی مسئلہ میں اختلاف رائے اس کی وجہ بن گئی اور اپنی اپنی رائے پر عمل کرنے والے مجتہد تھے اور مجتہد قانون شریعت کی رو سے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لڑائی کے بعد فریقین میں سے کسی کی زبان سے دوسرے کے لئے کوئی نامناسب کلمہ نہیں نکلا، ان کے جذبات ایک دوسرے کے لئے ہمدردانہ ہی رہے جو ان کی قرآنی صفت "رحماء بینھم" کے عین مطابق ہے۔ اس پر ایک سرسری نظر ڈال لیں تو بہت سے شکوک واعتراضات خود بخود ختم ہو جائیں گے اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ لڑائی ایمان وکفر کی نہیں تھی۔

اس سلسلہ میں نہج البلاغہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک گشتی فرمان یہاں نقل کرتے ہیں جس میں آپ نے اہل صفین سے اختلاف کی نوعیت واضح کر دی ہے۔

وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحد لانستزیدهم فی الایمان

[1] الاصابہ ج: ۲ ص ۵۰۱

بـالـلـه والتصديق برسوله صلى الله عليه وسلم ولا يستزيدوننا الامر واحد الاما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء۔ [1]

یعنی ہمارے واقعات کی ابتداء یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک، نبی ایک، ہمارا اور ان کا اسلام کی طرف بلانا ایک ہے، نہ ہم اللہ پر ایمان رکھنے اور رسول کو سچا جاننے میں ان سے زیادہ اور نہ وہ ہم سے زیادہ، بس ہمارا اور ان کا معاملہ بالکل ایک ہے اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے خون کا ہے حالانکہ میں اس خون سے بری ہوں۔

یہ عبارت شیعوں کی مشہور کتاب نہج البلاغۃ سے منقول ہے جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ:

(۱) حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین یہ لڑائی کوئی مذہبی نہیں تھی بلکہ دونوں کا مذہب ایک تھا، مومن اور مسلمان ہونے میں دونوں برابر تھے اور دونوں کی دینی دعوت بھی ایک ہی تھی۔

(۲) ایمان اور اسلام میں کوئی ایک دوسرے سے فائق اور برتر نہ تھا بلکہ دونوں یکساں اور برابر تھے، وہ سب کامل الایمان تھے، کوئی ناقص الایمان نہ تھا۔

(۳) صرف ایک وقتی مسئلہ اختلاف کا سبب بن گیا، یعنی خونِ عثمانؓ کے قصاص میں اجتہادی رائے اور نظریہ بدل گیا، پھر حضرت علیؓ نے وضاحت کردی کہ خونِ عثمانؓ سے ہم بری ہیں اور ان کی شہادت میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں۔

اس مقام پر امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ لکھتے ہیں:

''اس وضاحت کے بعد حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں'' ناپاک خیالات رکھنا جن کی شیعہ مذہب تعلیم دیتا ہے حضرت علیؓ کی پیروی ہے یا بغاوت

---

[1] نہج البلاغہ ج:۲ ص:۱۱۴

اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ [1]

بہر حال یہ لڑائی دونوں حضرات کے لئے باعث رنج و ملال تھی اور اس سے وہ بہت رنجیدہ رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے متعدد روایات میں اس پر افسوس کے تاثرات ظاہر ہوئے ہیں۔ ایک موقع پر حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

"یالیت امی لم تلدنی، ولیت انی مت قبل الیوم۔ [2]

کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا اور اس دن سے پہلے ہی میں فوت ہو گیا ہوتا۔

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الآثار میں اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک طویل کلام نقل کیا ہے جس میں ہے:

عن علی انہ قال لابی موسیٰ رضی اللہ عنہ حین کلمہ خلصنی منہا ولو بعرق جبینی۔ [3]

یعنی حضرت علیؓ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا حکم اور فیصل بنایا تو ان سے کہا کہ اس جھگڑے سے ہمیں چھٹکارا دلا دیجئے اگرچہ میری گردن کی رگ ہی کیوں نہ چلی جائے۔ (یعنی بھلے مجھے نقصان اٹھانا پڑے)

دوسری طرف حضرت معاویہؓ کا حال بھی یہی تھا۔ اتنی سخت لڑائی کے باوجود وہ حضرت علیؓ کے برابر اپنے آپ کو نہیں سمجھتے تھے اور خلافت کے معاملہ میں انہی کو مستحق جانتے تھے۔ ابو مسلم خولانیؒ نے انہیں حالات میں حضرت معاویہؓ سے پوچھا کہ آپ علیؓ سے لڑتے ہیں کیا آپ ان کے ہم پلہ ہیں؟ تو حضرت معاویہؓ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں ان کا ہم مرتبہ نہیں ہوں، وہ مجھ سے افضل ہیں اور خلافت کے بھی وہ زیادہ حقدار

---

[1] ابوالائمہ کی تعلیم [2] تاریخ کبیر (امام بخاری ج ۳: ص ۳۸۲ طبع دکن، کتاب السنہ امام احمد ص ۱۹۶ طبع مکہ مکرمہ [3] کتاب الآثار ج: ۱ ص ۲۰۸

ہیں۔ ۱

دورانِ جنگ ہی شاہ روم نے حالات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی اور موقع غنیمت جان کر ایک بڑا لشکر تیار کیا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تو حضرت معاویہؓ نے اس کو خط لکھا:

لاصطلحن انا وابن عمی علیك والله لئن لم تنته وترجع الی بلادك بالعین ولاضیقن علیك الارض بمارحبت، فعند ولاخرجنك من جمیع بلادك ذلك خاف ملك الروم وانكف وبعث بطلب الهدنة۔ ۲

"اللہ کی قسم! اگر تو اس اقدام سے باز نہیں آیا اور اپنے شہروں کو واپس نہیں لوٹا تو اے لعین! میں اور میرے چچا کے بیٹے (حضرت علیؓ) تیری مخالفت میں باہم صلح کرلیں گے اور میں تجھے تیری آبادیوں سے باہر کردوں گا اور وسیع زمین کو تجھ پر تنگ کردوں گا۔"

اس پر بادشاہ روم خوفزدہ ہوگیا اور اس اقدام سے رُک گیا پھر قاصد بھیج کر صلح کی۔

حضرت علیؓ کی شہادت کی اطلاع پر حضرت معاویہؓ رونے لگے، تو آپ کی اہلیہ نے کہا کہ وہ حیات تھے تو ان سے لڑے اور اب رو رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: تمہیں نہیں معلوم کہ آپؓ کی شہادت سے مسلمانوں کا فقہ اور علم و فضل میں کتنا نقصان ہوا ہے۔ یعنی کتنی عظیم شخصیت سے قوم محروم ہوگئی ہے۔ ۳

حضرت ضرار صدائی کا واقعہ بھی بہت سے مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے جب ان کے سامنے ضرار نے حضرت علیؓ کے اوصاف بیان کئے تو حضرت معاویہؓ اتنا روئے کہ ان کی داڑھی تر ہوگئی اور فرمایا کہ اللہ کی رحمت نازل ہو ابوالحسنؓ پر، اللہ کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔ ۴

---

۱ تاریخ اسلام ذہبی، ج:۲ص۱۶۸ ۲ البدایہ والنہایہ ج:۸ص۱۱۹ ۳ البدایہ ج:۸ص۱۳۰ ۴ شرح نہج البلاغہ ابن میثم بحرانی۔ ج:۵ص۲۷۶

بعینہٖ یہی اضطرابی کیفیت اور بے چینی حضرت عائشہؓ پر بھی بعض اوقات طاری ہوتی تھی۔ وہ بھی واقعۂ جمل پر بہت افسوس کرتی اور روتی تھیں اور طرفین کے شہداء کے حق میں دعا کرتی تھیں۔ حضرت زبیرؓ نے بھی اپنے اس سفر پر ندامت کا اظہار کیا تھا جس میں جنگِ جمل کا حادثہ پیش آیا تھا۔ [1]

ان حضرات کی یہ کیفیت صرف اس لئے تھی کہ ان میں خوف الٰہی اور خشیت کا غلبہ تھا اور یہ ان کا کمال تقویٰ تھا جو ان حالات کے پیش آجانے پر ان کو اظہار تأسف پر مجبور کر رہا تھا۔ ایسا نہیں کہ انھوں نے کوئی جرم کر لیا اور اس پر وہ افسوس کر رہے ہوں بلکہ یہ تو ان کا اجتہاد تھا کتنے بڑے ظالم اور مجرم ہیں وہ لوگ جو اجتہاد کو بھی جرم بنا رہے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان حضرات کے درمیان کی یہ لڑائی کسی ضد پر مبنی نہ تھی نہ اسلام اور کفر کی جنگ تھی بلکہ وہ ایک دوسرے کے حق میں نیک نیت تھے، گروہی عداوت اور نسلی تعصب کا اس میں قطعاً کوئی دخل نہ تھا۔ جس کو آج کل بڑے طمطراق سے ہوا دی جا رہی ہے اور پورا زور اس لڑائی کو کفر و نفاق کی جنگ ثابت کرنے پر صرف کیا جا رہا ہے، زمانہ جاہلیت کے تعصب اور پرانی خاندانی دشمنی کا شاخسانہ بتا کر اسے مزے لے لے کر خوب بیان کیا جا رہا ہے۔ ایسے گندہ ذہن اور گندی سوچ رکھنے والوں کو اللہ سمجھے۔

## مشاجرات صحابہؓ کے سلسلہ میں امت کا نظریہ

صحابہ کرامؓ کے درمیان ہونے والی ان جنگوں اور اس اختلافی دور کو اہل علم "دور فتن" کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں جو حالات اور واقعات پیش آئے اس کے احکام الگ ہیں اور امن واطمینان والے دَور کے احکام الگ ہیں۔ یہ خطرناک اور امت کے لئے

۱ شرح عقیدۂ واسطیہ بحوالہ مقام صحابہ از مفتی محمد شفیع صاحب ص ۱۲۸

اذیت ناک حالات کیسے پیدا ہو گئے؟ اس بحث میں الجھ کر اپنے دین وایمان کو خراب کرنے سے بہتر ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا جائے وہ اس کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے۔ اکابر امت نے اس سلسلہ میں یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے جو زیادہ احتیاط اور سلامتی والا راستہ ہے، کیونکہ اہل سنت کے نزدیک دونوں فریق کی تعظیم واجب ہے اور کسی کو برا کہنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے امت نے ان کے اختلاف کو اجتہادی قرار دیا ہے، جس سے کسی فریق کے حضرات کی شخصیتیں مجروح نہیں ہوتیں۔

حضرات تابعین اور علمائے امت کے بیشار فرمودات بطور نصیحت کتابوں میں موجود ہیں جو امت کیلئے بہترین سبق ہیں۔ ہم قارئین کے لئے چند اقوال پیش کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کچھ لوگوں نے صحابہ کرامؓ کے اختلافات کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

امر اخرج الله ایدیکم منه ماتعملون السنتکم فیه۔ [1]

یعنی یہ وہ معاملات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں کو دور رکھا تو تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں ملوث کرتے ہو؟

ایسے ہی ایک دوسرے موقع پر جب آپ سے اہل صفین وجمل کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

تلك دماء کف الله یدی عنها وانا اکره ان اغمس لسانی فیه۔ [2]

یہ ایسی خوں ریزی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو دور رکھا تو اب میں اپنی زبان کو اس میں ملوث کرنا نہیں چاہتا۔

صحابہ کرامؓ کے درمیان ہونے والے اس اختلاف کے بارے میں ایک مرتبہ آپؒ سے سوال کیا گیا تو فرمایا: تلك دماء طهر الله یدی منها افلا اطهر بها لسانی

---

[1] طبقات ابن سعد ج:۵ ص ۳۸۲ [2] طبقات ابن سعد ج:۵ ص ۳۹۱

مثل أصحاب رسول الله ﷺ مثل العيون، ودواء العيون ترك مسها ۔ ۱

یعنی وہ ایسا خون ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں کو پاک رکھا تو کیا میں اپنی زبان کو اس سے پاک نہ رکھوں، اصحاب رسول ﷺ آنکھ کی طرح ہیں اور آنکھ کا علاج یہ ہے کہ اس کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

صاف صاف نصیحت ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ان معاملات پر کوئی رائے نہ دی جائے اور اس سے پرہیز کیا جائے، انکا معاملہ اللہ کے حوالہ کردینے میں عافیت ہے ورنہ (بغض صحابہؓ کی) بیماری ہلاکت کا سبب بن جائے گی۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ کے مشاجرات اور لڑائی کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے پیش آگئے، ان کا کیا حکم ہے، اور ہمیں اس سلسلہ میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ اس پر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ان معاملات میں موجود اور حاضر تھے، ہم لوگ موجود نہ تھے، وہ ان امور کو ہم سے بہتر جانتے تھے، جن معاملات میں ان کا اتفاق ہے ہم اس کی اتباع کرتے ہیں اور جن چیزوں میں ان کے مابین اختلاف ہے اس میں ہم توقف کرتے ہیں، اپنی طرف سے ہم کوئی رائے نہیں دیتے، ہاں یہ ہم جانتے ہیں وہ مجتہد تھے اور ان کے پیش نظر اللہ کی ذات تھی اور دین کے سلسلہ میں بھی ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔'' ۲

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا:

تلك دماء طهر الله عنها ايدينا فلنطهر عنها السنتنا ۔ ۳

---

۱ الانصاف للباقلانی، ص ۶۹ ـ الطبقات، ۵، ۳۹۴ ۲ الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) ج ۱۶، ص ۳۲۲، سورہ حجرات ۳ شرح مواقف ج: ۸ ص ۳۷۴ مطبوعہ مصر المقصد السابع انہ یجب تعظیم الصحابۃ کلہم

یہ وہ خون ریزیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا پس ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی اس سے بچائے رکھیں۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ماشجر بینهم بعده علیه الصلوٰۃ والسلام :فمنه ماوقع من غیر قصد کیوم الجمل ،ومنه ماکان عن اجتهاد کیوم الصفین والاجتهاد یخطئ ولکن صاحبه معذور ان اخطأ ومأجور ایضا، واما المصیب فله أجران۔ [1]

یعنی حضور اکرم ﷺ کے بعد صحابہؓ میں جو اختلافات ہوئے وہ دو طرح کے ہیں ایک تو وہ جو بلا قصد وارادہ ہوگئے جیسے جنگ جمل اور دوسرے وہ جو اجتہاد کی وجہ سے ہوئے۔ اور اجتہاد (کبھی) غلط ہو جاتا ہے مگر مجتہد معذور ہو جاتا ہے اگر وہ غلطی پر رہی ہو اور اس کو ثواب ملتا ہے ہاں اگر اس کا اجتہاد درست ہو تو اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس معاملہ کو بہت عمدہ طریقہ پر بیان فرمایا ہے کہ:

''صحابہ کرامؓ کے درمیان جو حالات پیش آئے ان کے سلسلہ میں اہلِ سنت کا اتفاق ہے کہ ان سے اپنی زبان کو روکا جائے، ان کے عیوب ونقائص کے ذکر سے پرہیز کیا جائے اور ان کے فضائل ومحاسن کو بیان کیا جائے، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان رونما ہونے والے حادثات کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے، ان میں سے ہر ایک کی فضیلت کا اعتراف کیا جائے۔ [2]

علامہ قرطبی نے اس قتال کے متعلق نصیحت کے ساتھ کف لسان کے وجوہ اور دلائل بھی ذکر کئے ہیں۔ سورہ حجرات کی آیتِ کریمہ ''وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا کی

[1] عقیدۃ اہل السنۃ ۲ ، ص ۶۷ [2] غنیۃ الطالبین ص ۱۶۰ طبع نول کشور

تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان حضرات میں سے کسی ایک صحابی کے حق میں بتعیین طور پر خطا کو منسوب کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ لوگ اپنے افعال میں مجتہد تھے اور اخلاص کی بناء پر ان سے یہ افعال صادر ہوئے، یہ حضرات ہمارے لئے پیش رو اور امام ہیں ہمیں ان کے جھگڑوں میں پڑنے سے روکا گیا ہے ہم پر لازم ہے کہ ان کا ذکر خیر کے ساتھ کریں کیونکہ:

(۱) ان کو صحابیت کا شرف حاصل ہے اور یہ بات انتہائی قابل احترام ہے۔
(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق لعن طعن کرنے سے منع فرمایا ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائیں معاف فرمادی ہیں اور ان کے حق میں قرآن مجید میں اپنی رضامندی کا اعلان کردیا ہے۔ [1]

مفسر قرآن علامہ قرطبیؒ نے اس مقام پر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی شہادت کے متعلق جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں ان سے اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا: "ان طلحة شهيد يمشي على وجه الارض" (یعنی طلحہؓ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں) حضرت زبیرؓ کے بارے میں فرمایا: "بشر قاتل ابن صفية بالنار"۔ (حضرت علیؓ سے حضورؐ نے فرمایا: صفیہ کے بیٹے (زبیرؓ) کے قاتل کو جہنم کی خبر دیدو) یہ دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ میں سے ہیں اور ان دس خوش نصیب افراد میں ان کا بھی نام ہے جن کے جنتی ہونے کی آپؐ نے ایک مجلس میں خبر دی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے سلسلہ میں حضرت علیؓ سے ان کا مقابلہ دھوکہ میں ہوگیا، اور اسی دوران وہ شہید ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شہید قرار دیا ہے، دوسری طرف حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت علیؓ کے

[1] تفسیر قرطبی (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶ ص ۳۲۱ مطبوعہ مصر

سرگرم ساتھیوں میں سے تھے اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حضرت علیؓ کے مخالفین کا مقابلہ کیا، آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے بھی شہادت کی پیشین گوئی فرمائی۔ غور کیجئے تو یہی ارشادات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ان جنگوں میں کوئی فریق بھی کھلے باطل پر نہ تھا بلکہ ہر فریق اپنی جگہ پر مخلص تھا اور مجتہد تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ اختلاف کھلے حق و باطل کا اختلاف ہوتا تو ہر فریق کے رہنماؤں کے لئے بیک وقت شہادت کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرماتے۔ ان ارشادات نے یہ واضح کر دیا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑ رہے تھے اس لئے وہ بھی شہید ہیں اور حضرت عمارؓ کا مقصد بھی صرف رضائے الٰہی تھا اس لئے وہ بھی شہید اور لائق مدح و ستائش ہیں۔ دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہیں بلکہ اجتہاد اور رائے کی بناء پر تھا۔ اس لئے ان میں سے کسی بھی فریق کو مجروح و مطعون نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ ابن حجر مکی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ میں جو تنازعات پیش آئے ان کی وجہ سے کسی ایک پر بھی طعن کرنا اور عیب لگانا اہل سنت کے نزدیک منع ہے اور اس پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے اگرچہ یہ بات معلوم ہو کہ حق پر کون ہے۔ (ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ) ان کی یہ لڑائیاں (نسلی تعصب اور عناد کی بناء پر نہ تھیں بلکہ) اجتہاد کی بناء پر تھیں اور اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں خطا کرنے والوں کو معاف فرما دیا ہے بلکہ یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ مجتہد مصیب کو دو اجر ملتے ہیں اور مجتہد مخطی کو ایک اجر ملتا ہے۔[۱]

شارح مسلم امام نوویؒ لکھتے ہیں:

''اہل حق اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ ان (صحابہؓ) کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے ، ان کے درمیان جو آویزشیں ہوئیں ان سے زبان بند رکھی جائے اور ان کی لڑائیوں

[۱] فتح الباری شرح بخاری ج: ۱۳، ص ۲۸، کتاب الفتن

کی تاویل کی جائے اور یہ کہ وہ مجتہد تھے، تاویل کرتے تھے، انہوں نے معصیت اور دنیا داری کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ہر فریق کا یہ خیال تھا کہ وہ حق پر ہے اور اسکا مخالف باغی ہے جسکی وجہ سے اس پر قتال واجب ہے تا آنکہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، ان میں سے بعض حق پر تھے اور بعض خطا پر تھے اور وہ اپنی خطا پر معذور تھے اسلئے کہ وہ خطائے اجتہادی تھی اور مجتہد جب خطا کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ ان جنگوں میں حضرت علیؓ ہی حق پر تھے، یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ [1]

علامہ سفارینی نے اپنی کتاب الدرۃ المضیہ میں اور پھر اس کی شرح میں اس موضوع پر بڑا تفصیلی اور نہایت عمدہ کلام کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس لئے کہ جو نزاع و جدال اور دفاع و قتال صحابہؓ کے درمیان پیش آیا وہ اس اجتہاد کی بناء پر تھا جو فریقین کے سرداروں نے کیا تھا اور اس میں ہر ایک کا مقصد اچھا تھا اگر چہ اس اجتہاد میں برحق فریق ایک ہی ہے اور وہ حضرت علیؓ اور ان کے رفقاء ہیں اور خطا پر وہ حضرات ہیں جنھوں نے حضرت علیؓ سے نزاع اور عداوت کا معاملہ کیا، البتہ جو فریق خطا پر تھا اسے بھی ایک اجر و ثواب ملے گا۔ اس عقیدہ میں صرف اہل جفاو عناد ہی اختلاف کرتے ہیں۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کے درمیان مشاجرات کی جو صحیح روایات ہیں ان کی بھی ایسی تشریح کرنا واجب ہے جو ان حضرات سے گناہوں کے الزام کو دور کرنے والی ہو۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''تمام صحابہ کرامؓ سے محبت رکھنا اور ان کے درمیان جو واقعات پیش آئے ان کو لکھنے پڑھنے، پڑھانے سننے اور سنانے سے پرہیز کرنا واجب ہے اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا اور رضامندی کا اظہار کرنا، ان سے محبت رکھنا اور ان پر اعتراض کی

[1] نووی شرح مسلم ج:۲ ص:۳۹۰

روش کو چھوڑنا، انھیں معذور جاننا اور یہ یقین رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ ایسے جائز اجتہاد کی بنا پر کیا جس سے نہ کفر لازم آتا ہے، نہ فسق ثابت ہوتا ہے، بلکہ اس پر انہیں ثواب ہوگا، اسلئے کہ یہاں کا جائز اجتہاد تھا۔ [1]

حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ فرماتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ کے مشاجرات یعنی ان کے باہمی جھگڑوں کا بیان کرنا حرام ہے مگر بضرورت شرعی و بہ نیت نیک، اور جن صحابہ کرامؓ میں باہم کوئی جھگڑا ہوا ہو، ہمیں دونوں فریق سے حسن ظن رکھنا اور دونوں کا ادب کرنا لازم ہے، جس طرح دو پیغمبروں کے درمیان اگر کوئی بات اس قسم کی ہو جائے تو ہم کسی کو بُرا نہیں کہہ سکتے بلکہ دونوں پر ایمان لانا بحکم قرآنی ہم پر فرض ہے۔ خلفائے راشدین عقیدہ نمبر ۱۱ ص ۱۱

سلف صالحین اور اکابر امت کے جو اقوال اور نظریات پیش کئے گئے ہیں دراصل اس میں امت کے لئے بہت بڑی رہنمائی، ہمدردی اور سبق ہے۔ ان کی اس ہمدردی کے پیچھے حضور نبی رحمت ﷺ کے وہ اقوال ہیں جو آپ نے اسی "دور فتن" سے متعلق امت کی رہنمائی کے لئے فرمائے ہیں۔ جیسے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون بين ناس من اصحابى فتنة يغفرها الله لهم لصحبتهم اياى يستن بهم فيها ناس بعدهم يدخلهم الله بها النار۔ [2]

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرے صحابہ میں فتنہ ہوگا، میری صحبت کی وجہ سے ان کی تو مغفرت ہو جائے گی، لیکن بعض لوگ جو اس فتنہ کو بعد میں ہوا دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں داخل کرے گا۔"

---

[1] شرح عقائد سفارینی ج: ۲ ص ۳۸۶ بحوالہ مقام صحابہؓ مفتی محمد شفیع صاحب

[2] تفسیر احکام القرآن (قرطبی) ج: ۷ ص ۳۹۱ مجمع الزوائد ہیثمی ج: ۷، ص ۲۳۳، ۲۳۴

یعنی جمل اور صفین جیسے فتنوں میں جو صحابہ کرامؓ مبتلا ہوئے احادیث کی روشنی میں ان کے اخلاص اور اجتہاد کی وجہ سے ان کی مغفرت اور بخشش ہو جائے گی لیکن بعد والے لوگ جو اس جنگ کی وجہ سے فتنے کھڑے کریں گے وہ دوزخ میں جائیں گے۔

اسلاف کرام کے ان تمام اقوال سے ہم کو یہ ہدایت حاصل کرنا چاہئے اور ان ہی کے اقوال کے مطابق جمل اور صفین والوں کے متعلق ہمیں اپنے نظریات قائم کرنے چاہئیں، ہمارے تأثرات ان کے خلاف نہ ہوں، ان پر حرف زنی اور طعن و تشنیع اور ان کے مقام عظمت کے خلاف کوئی تبصرہ کرنے سے پرہیز کریں۔ اسی میں ہمارے ایمان کی حفاظت اور سلامتی ہے۔

## سیدنا حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کی صلح

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جنگِ صفین کے بعد تحکیم کے واقعہ میں جب بات نہ بن پائی تو شام والوں نے حضرت معاویہؓ سے ذی قعدہ ۳۷ھ میں خلافت کی بیعت کر لی۔ اب تک آپ خلیفہ نہیں صرف ملکِ شام کے گورنر تھے۔ ۱۹ھ میں حضرت فاروقِ اعظمؓ نے آپ کو آپ کے بھائی یزید بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد شامی علاقہ کا امیر اور والی مقرر کیا تھا۔ یعنی عہدِ فاروقی وعہدِ عثمانی میں تقریباً ۱۸ سال حضرت معاویہؓ یہاں گورنر کی حیثیت سے گزار کر اپنی عمدہ قیادت، عدل و انصاف اور جرأت و ہمت کا لوہا منوا چکے تھے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

ثم لما کان من امر الحکمین ما کان واختلف اھل العراق علی علیؓ وبایع اھل الشام معاویۃؓ بالخلافۃ۔ [1]

[1] تاریخ ابن خلدون ج:۲ ص ۱۱۲۵

یعنی حکمین کا جو معاملہ ہوا سو ہوا، اہلِ عراق حضرت علیؓ پر آپس میں مختلف ہو گئے تو اہلِ شام نے حضرت معاویہؓ سے بیعتِ خلافت کرلی۔

پھر سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ بندی پر مصالحت ہوگئی۔ ۳۷ھ سے ۴۰ھ کے درمیانی عرصہ میں فریقین کے قائدین اور عمال کے مابین تصادم کے کچھ واقعات پیش آئے جو صرف وقتی اور مقامی جھڑپوں سے زیادہ حیثیت کے نہیں تھے۔ خود حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اس دور میں کوئی معرکہ پیش نہیں آیا اور مصالحت کی فضا تقریباً قائم رہی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے البدایہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ نے مصر کے سلسلہ میں (جہاں گورنر کے تقرر کا مسئلہ اختلافی بن گیا تھا، حضرت علیؓ اس کو اپنی ماتحتی میں رکھنا چاہتے تھے اور حضرت معاویہؓ اپنی ماتحتی میں) فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کو وہاں بھیجتے وقت ان کو نصیحت کی تھی جس سے ان کے خوفِ وخشیت، نرم مزاجی اور صلح و اتفاق کی پالیسی کا پتہ چلتا ہے:

''واوصاہ بتقوی اللہ والرفق والمھل والتودۃ وان یقتل من قاتل ویعفو عمن ادبروان یدعو الناس الی الصلح والجماعۃ۔[1]

حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اللہ سے خوف کرنے، نرمی برتنے اور حوصلہ دکھانے کی ہدایت فرمائی، مقابلہ کرنے والوں کے خلاف لڑنے اور جنگ سے ہٹ جانے والوں کو معاف کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کو صلح اور اجتماعیت کی دعوت دیں۔''

سنہ ۴۰ھ میں سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ بندی سے دشمنانِ اسلام (جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے بدخواہ تھے یعنی خوارج اور روافض) کے سینوں پر سانپ لوٹ گئے، اس سے بوکھلا کر انہوں نے حضرت علیؓ

[1] البدایہ ج: ۷ ص ۳۱۴

حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا اور اس کو بروئے کار لانے کے لئے اقدام بھی کر بیٹھے۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ تو بچ گئے لیکن خلیفۂ رسول سیدنا حضرت علیؓ شہید ہوگئے۔ آپ کی شہادت ۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ بروز جمعہ ہوئی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

سیدنا حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کے بعد انتقال سے قبل لوگوں نے آپؓ سے عرض کیا کہ آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر ہم بیعت کر لیں؟ آپؓ نے فرمایا: میں نہ تو حسنؓ سے بیعت کا تم کو حکم دیتا ہوں نہ روکتا ہوں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد اسی دن حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر عراق والوں نے بیعت خلافت کر لی۔ تھوڑے دن تک حالات پرسکون رہے۔ چند ماہ بعد حضرت حسنؓ کے بعض امراء اور لشکریوں نے اہل شام کے ساتھ آپ کو لڑائی کے لئے آمادہ کیا۔ اگرچہ حضرت حسنؓ کو ذاتی طور پر مسلمانوں کے مابین لڑائی پسند نہ تھی لیکن مجبوراً آپ کو اہل شام کے خلاف اقدام کرنا پڑا اور اپنے فوجی اڈہ مدائن آپ تشریف لے گئے۔

بعض مؤرخین کے بقول سیدنا حسنؓ نے عراق کے سربرآوردہ لوگوں کو مدائن کے ایک محل میں جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمارے ہاتھ اس شرط پر بیعت کی ہے کہ جس سے میں صلح کروں گا تمہاری بھی اس سے صلح ہوگی اور میں جس سے جنگ کروں گا تم بھی اس سے جنگ کرو گے۔ حالات کے پیش نظر میں نے امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کر لیا ہے لہٰذا تم بھی ان کی اطاعت قبول کرو۔

علامہ ابن حجر مکی الاصابہ میں فرماتے ہیں:

جمع الحسن رؤس اهل العراق فی هذا القصر۔ قصر المدائن۔ فقال انکم قد بایعتمونی علیٰ ان تسالموا من سالمت وتحاربوا من

حاربت وانی قد بایعت معاویة فاسمعوا واطیعوا۔ [1]

جب آپؓ کے اس ارادہ کی خبر آپ کی جماعت کے دوسرے افراد اور اہلِ لشکر کو ہوئی تو انتشار و اختلاف پیدا ہو گیا اور اہلِ عراق کی طرف سے اطاعت امیر سے روگردانی کے آثار پیدا ہو گئے۔ چنانچہ سیدنا حسنؓ ان حالات کو دیکھ کر بہت دل برداشتہ اور کبیدہ خاطر ہوئے۔

ابوالفداء ابن کثیر، خطیب بغدادی اور یعقوب بسوی وغیرہ مؤرخین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ کی جماعت کے برگشتہ افراد نے آپ کے ساتھ برا سلوک اختیار کیا اور ستایا جس کی وجہ سے آپ کو بڑا ملال ہوا اور بالآخر حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

" عن عمار الدهنی قال: نزل الحسن المدائن و کان قیس بن سعدبن عبادة علیٰ مقدمته فنزل الانبار و طعنوا حسنا و انتهبوا اسرادقه ۔ [2]

عمار دہنی کہتے ہیں کہ (پروگرام کے مطابق) سیدنا حسنؓ علاقہ مدائن تشریف لے گئے آپ کے لشکر کے مقدمہ پر قیس بن سعد حاکم تھے، پھر انبار کے مقام پر پہونچے تو وہاں ان کے لشکریوں نے آنجناب کو نیزوں سے زخمی کر ڈالا اور آپ کا سامان لوٹ لیا۔

اسی مضمون کو علماء شیعہ اور ان کے مؤرخین نے تسلیم کیا ہے۔ علامہ طبری اور ملا باقر مجلسی اور شیعہ مؤرخ یعقوبی کے یہاں بڑی صراحت کے ساتھ یہ اقرار ملتا ہے۔

ملا باقر مجلسی اپنی مشہور تصنیف "بحار الانوار" میں لکھتے ہیں کہ:

لما طعن الحسن بن علی بالمدائن اتیته و هو متوجع فقلت ماتریٰ یا ابن رسول الله فان الناس متحیرون فقال ماریٰ والله معاویة خیر لی من هولاء یزعمون انهم لی شیعة، ابتغوا اقتلی و انتهبوا اثقلی

---

[1] الاصابہ ابن حجر: ۱/ص ۳۳۰ [2] تاریخ بغداد ج: ۱/ص ۱۴۸

واخذوا مالی والله لان اخذ من المعاوية عهدا احقن به دمی وامن به فی اهلی خير من ان يقتلونی فتضيع اهل بيتی واهلی۔[1]

یزید بن وہب جہنی کا بیان ہے کہ) جب حسن بن علیؓ کو مدائن میں نیزہ مارا گیا تو میں آپ کی خدمت میں پہونچا آپ درد کی تکلیف میں مبتلا تھے، میں نے عرض کیا: اے فرزندِ رسول! لوگ اس معاملہ میں (مجوزہ صلح میں) متحیر اور حیران ہیں، جناب کا اس بارہ میں کیا خیال ہے؟ امام نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے تو معاویہ (رضی اللہ عنہ) میرے لئے بہتر ہیں، جو لوگ میرے شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرا مال لوٹ لیا، اللہ کی قسم! میں معاویہ سے ایسا عہد لے لوں، جس میں میری جان کی حفاظت ہو اور میرے اہل کی امان ہو یہ میرے لئے اس چیز سے بہتر ہے کہ میرے شیعہ مجھے قتل کر ڈالیں اور میرے اہلِ بیت کو تباہ و برباد کر دیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت حسنؓ حضرت معاویہؓ سے صلح کرنے پر آمادہ تھے اور ان کو شیعوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ امام بخاری نے کتاب الصلح میں، ابوالفداء ابن کثیر نے البدایہ میں اور ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں اس صلح کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوگئی۔

(فصالحه قال الحسن بصری) ولقد سمعت ابابكرة يقول رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر والحسن بن علی الیٰ جنبه وهو يقبل على الناس مرة وعليه اخرى ويقول ان ابنی هذا سيد ولعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين۔[2]

حسن بصریؒ کہتے ہیں یہ صلح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق ہے

[1] بحار الانوار ج: ص: ۱۱۰، احتجاج طبرسی ص ۱۴۸ [2] بخاری ج: ا ص: ۳۷۳، بحار الانوار، ج: ۲ ص ۸۷

جو ابوبکرہ (نفیع بن حارث ثقفیؓ) سے میں نے سنی، ابوبکرہؓ کہتے تھے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو مدینہ منورہ میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ کے پہلو میں منبر پر حضرت حسنؓ بیٹھے ہوئے تھے، آنحضور خطبہ کے دوران کبھی حضرت حسنؓ کو دیکھتے اور کبھی ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ پھر آپ نے اس خطبہ میں فرمایا: یہ میرا بیٹا سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرادے گا۔

شیعہ سنی مؤرخین مثلاً علامہ ابن کثیر نے البدایہ ج:۸ میں اور مؤرخ دینوری شیعی نے اخبار الطوال ص ۲۱۸ میں اس صلح کا پس منظر اور اس کے شرائط تحریر کئے ہیں۔ چنانچہ جن شرائط پر صلح ہوئی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱ اہل عراق پر دشمنی اور کینہ کی بناء پر گرفت نہیں کی جائے گی۔
۲ عام رعایا کو امان دی جائے گی۔
۳ لوگوں کی یاوہ گوئی کو برداشت کیا جائے گا۔
۴ علاقہ اہواز دارابجرد کی پوری آمدنی ہر سال حضرت حسنؓ کو دی جائے گی۔
۵ کوفہ کے بیت المال سے پچاس لاکھ درہم حضرت حسنؓ لیں گے۔
۶ حضرت حسین بن علیؓ کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے گا۔
۷ عطایا اور صلہ جات میں بنی ہاشم کو بنی عبدشمس پر فضیلت دی جائے گی۔

فاضل اربلی شیعی اور ملا باقر مجلسی نے ایک اور شرط کا اضافہ کیا ہے کہ:

۸ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سیرت خلفائے راشدینؓ صالحین پر عمل درآمد کرنا ہوگا۔ [1]

---

[1] کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ (علی بن عیسیٰ اربلی) ج:۲ ص ۱۴۵ طبع تبریز ایران بحار الانوار ملا باقر مجلسی ج:۱ ص ۱۲۳

دینوری شیعی کے مطابق عبداللہ بن عامر نے حضرت حسنؓ کی یہ شرائط حضرت معاویہؓ کی خدمت میں بھیج دیں۔ اس طرح یہ صلح مکمل ہوگئی حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؓ اس پر راضی ہوگئے۔

علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں:

اشترط علیه شرطا کثیرة فالتزمها ووفی له بها۔ [1]

حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ سے بہت سی شرائط پر مصالحت کی تھی اور جن امور کی انجام دہی کی ذمہ داری قبول کی تھی حضرت معاویہؓ نے ان کو پورا کردیا۔

**فائدہ:** اس موقع پر یہ چیز بھی ذکر کردینا مناسب ہے کہ جس طرح سیدنا حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے شرائط مذکورہ بالا کے ساتھ صلح کرکے بیعت کرلی تھی اور وہ اس پر مطمئن تھے اور کسی طرح بھی پریشان و پشیمان نہیں تھے اسی طرح آپ کے عزیز القدر بھائی سیدنا حضرت حسینؓ اگرچہ شروع میں صلح سے متفق نہیں تھے لیکن بعد میں اس بیعت میں شامل ہوگئے تھے اور معاہدہ کی تمام کارروائی میں شریک تھے اور اس کو صحیح قرار دیتے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ کو بعض لوگوں نے اس مصالحت اور بیعت کو توڑ کر حضرت معاویہؓ کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تو آپؓ نے فرمایا: (جیسا کہ شیعہ مورخ نے لکھا ہے)

فقال الحسین انا قد بایعنا وعاهدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا۔ [2]

حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ: ہم نے امیر معاویہؓ سے بیعت کرلی ہے اور ان سے ہمارا معاہدہ ہوچکا ہے اب اس بیعت کو توڑنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔

مصالحت کی کارروائی پوری ہونے کے بعد مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور افتراق کے خواہاں اور دین بیزار لوگوں کا برا حال تھا، وہ غصہ سے تلملائے ہوئے

---

[1] صواعق محرقہ ص ۲۱۷
[2] اخبار الطوال دینوری شیعی ص ۲۲۰ طبع مصر

تھے، آپؓ کے شیعوں، حامیوں اور لشکریوں کا حال علامہ ابن کثیر اور خطیب بغدادی نے یوں بیان کیا ہے:

فلما جاء نا بصلح الحسن بن علی کانما کسرت ظهورنا من الغيظ فلما قدم الحسن بن علی الكوفة قال رجل منا يقال له ابوعامر سعيد بن النتل السلام عليك يا مذل المومنين فقال لا تقل هذا يا ابا عامر لست بمذل المومنين ولكن كرهت ان اقتلهم على الملك۔ [1]

(ابوالعریف کا بیان ہے) جب ہمارے پاس صلح حسنؓ کی اطلاع آئی تو غصہ سے ہماری کمریں ٹوٹ گئیں، (صلح کے بعد) جب حضرت حسنؓ کوفہ پہونچے تو ابوعامر سعید بن نتل نے "السلام عليك يا مذل المومنين" (اے مسلمانوں کو ذلیل کر دینے والے) کہہ کر آپ کو مخاطب کیا، حضرت حسنؓ نے فرمایا: ابوعامر! یہ نہ کہو میں نے مسلمانوں کو ذلیل نہیں کیا ہے، میں حکومت اور ملک گیری کی خواہش میں ان کو قتل نہیں کر سکتا۔

شیعہ روایات کے مطابق امام محمد باقرؒ نے اس صلح پر مندرجہ ذیل تبصرہ فرمایا ہے:

"والله للذی صنعه الحسن بن علی کان خیرا لهذه الامة مما طلعت علیه الشمس۔ [2]

اللہ کی قسم جو معاملہ (صلح کا) حسن بن علیؓ نے کیا تھا وہ اس امت کے حق میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

صلح کے بعد سیدنا حسنؓ کوفہ سے اپنے بھائی حسینؓ اور دیگر اہلِ بیت کے ساتھ مدینہ چلے آئے اور یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ مشہور روایت کے مطابق سینتالیس سال کی عمر پا کر سنہ ۴۹ھ یا سنہ ۵۰ھ میں آپ کا یہیں انتقال ہوا۔

---

[1] البدایہ ج: ۸ ص ۱۹ [2] روضہ کافی ج: ۲ ص ۲۵۲ مع شرح فارسی روایت ۵۰۶ طبع تہران۔

۵ ربیع الاول سنہ ۴۱ھ میں حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صلح سے مسلمانوں کے اختلاف کا خاتمہ ہوگیا اور مسلمان بشارتِ نبوی کے مطابق متحد ہوگئے جو لوگ حضرت علیؓ کے زمانے میں بیعتِ خلافت سے علاحدہ تھے جیسے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور محمد بن مسلمہ انصاری وغیرہ انہوں نے بھی بالاتفاق حضرت معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ اس لئے اس سال کو ''عام الجماعۃ'' (اتحاد کا سال) قرار دیا گیا۔

اس صلح سے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی چشم کشا اور بصیرت افزا عبارت بھی پڑھ لیں۔ حضرت مولانا اس پیشین گوئی کی اہمیت اور اس کے نفسیاتی اثرات کے تحت لکھتے ہیں:

''سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشین گوئی کہ ''اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ دو مسلم گروہوں کے درمیان مصالحت کرادے گا'' محض ایک اطلاع نہ تھی، جس کو دوسری پیشین گوئیوں کی طرح حضرت حسنؓ اور دوسرے مسلمان سن لیتے اور تصدیق کرتے، بلکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لئے ایک رہنما اشارہ اور تلقین کی نوعیت رکھنے والا مقولہ بھی تھا، جو اُن کی پوری زندگی میں ان کے رجحانات و اعمال کا رخ مقرر کرنے اور ایک معیار قائم کرنے میں ''عنوانِ حیات'' کا کام دے، اور یقیناً یہ جملہ ان کے قلب کی گہرائیوں میں اتر کران کے اعصاب و احساسات پر طاری رہا ہوگا، اور ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہوگا اور اس کی حیثیت ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وصیت کی ہوگی، یہ ضروری ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے یہ بات سنی ہوگی جو آپ کے جدِ امجد تھے، اور نبی برحق بھی کہ یہ بات آپ کی شفقت و محبت کا سبب ہے، تو حضور انور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر مسرت کی لہر اور آنکھوں میں امید کی چمک بھی دیکھی ہوگی، اور اس کو اپنی زندگی کے

مقاصد میں بڑا مقصد، اعلیٰ ترین اسوہ ونمونہ اور اپنے مستقبل کے لئے رہنما اصول قرار دیا ہوگا"۔ ؎

## ایک غلط نظریہ کی تردید

اس صلح سے یہ نظریہ بھی ختم ہوجاتا ہے کہ خلافت وامامت ایک مخصوص منصب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے مخصوص افراد کے لئے خاص ہے۔ لہٰذا ان کے سوا کسی شخص کو امامت وخلافت کا یہ حق نہ پہونچے گا اور شرعاً اس پر کسی کا حق نہیں ہے۔ سیدنا حضرت حسنؓ کا حضرت معاویہؓ کو امرِ خلافت سپرد کردینا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ عقیدۂ امامت وخلافت کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔ امت کے دیگر افراد بھی اس کے مستحق ہوسکتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی تو حضرت حسنؓ ہرگز خلافت کا معاملہ حضرت معاویہؓ کے سپرد نہ کرتے۔ جس طرح نبوت ایک مخصوص منصب ہے اور کوئی نبی کسی غیر نبی کو یہ منصب سپرد نہیں کرسکتا، اسی طرح اگر امامت وخلافت کا منصب بھی کسی دوسرے کے سپرد کرنے کے قابل نہیں ہے تو حضرت حسنؓ نے امامت وخلافت کا منصب حضرت معاویہؓ کے سپرد کیسے کردیا؟

اس صلح سے امت کا بہت بڑا اختلاف دور ہوا، اجتماعیت پیدا ہوئی اور دشمنانِ اسلام اپنی اسکیم اور منصوبے میں ناکام ہوگئے اور باتفاقِ امت اس کو خیر کا ذریعہ سمجھا گیا لیکن بعض حضرات اس صلح سے مطمئن نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ صلح نیک نیتی کے جذبہ سے نہیں ہوئی تھی۔ ان کا خیال ہے کہ بعض روایات میں حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئیوں میں مذکور ہے کہ "ایک صلح "ھدنہ علی دخن" ہوگی۔ یعنی اس صلح کی بنیاد دھوکہ دہی پر ہوگی اور وہ کدورت پر مبنی ہوگی۔ ان حضرات نے مذکورہ روایات کا مصداق حضرت

؎ المرتضیٰ، ص ۲۹۵

حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کی صلح کو قرار دیا ہے۔

ایسے بے اطمینان لوگوں کا جواب دیتے ہوئے مشہور محقق ومصنف اور معتبر عالم دین حضرت مولانا محمد نافع لکھتے ہیں:

(۱) پہلی یہ چیز قابل غور ہے کہ روایت مذکورہ بالا ''ہدنۃ علی دخن'' او کما ذکر فی الروایۃ، میں زیقین میں سے کسی شخص کا نام مذکور نہیں اور نہ کسی مقام اور موقع کا وہاں ذکر کیا گیا ہے، نہ کسی عہد اور زمانے کی تعیین اس میں پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ کن لوگوں، کس دور اور کس صلح کی طرف اشارہ ہے؟ ان چیزوں کے تعین سے یہ روایت خاموش ہے۔ اب ایسی مجمل پیش گوئی کا مصداق اور محمل حضرت حسن اور حضرت معاویہؓ کی صلح کو قرار دینا بغیر دلیل کے ہے۔ اور توجیہ القول بمالا یرضیٰ بہ قائل کا نمونہ ہے۔

(۲) اور دیگر صحیح روایات میں وارد ہے: ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔ یعنی یہ صلح و مصالحت مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں حضرت حسنؓ کے ذریعہ سے ہوگی۔ دوسری روایت ''ھدنۃ علی دخن'' کا محمل اگر حضرت حسن اور حضرت معاویہ کو بنایا جائے تو یہ روایت مذکورہ بالا صحیح حدیث کے مضمون اور مفہوم کے خلاف ہوگی کیونکہ حدیث مسلم شریف میں ''لعل اللہ ان یصلح بہ'' کے الفاظ مذکور ہیں اس میں نبی اقدس ﷺ نے حضرت سیدنا حسنؓ سے صلح کی بہتر امید وابستہ کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امید امر حق کے موافق ہوتی ہے پس آنجناب کی سیدنا حسنؓ کے متعلق ترجی (امید وابستہ کرنا) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت سیدنا حسنؓ کا حضرت امیر معاویہؓ کے لئے خلافت ترک کرنا صحیح ہے اور اس میں کسی جانب سے کوئی ''دخن'' یعنی خدیعت وخیانت نہیں اور مبنی بر کدورت بھی نہیں اس میں کوئی غدر نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ اپنی مشہور تصنیف ''الصواعق المحرقۃ'' میں ذکر کرتے ہیں کہ:

''فانظر الیٰ ترجیہ صلی اللہ علیہ وسلم الاصلاح بہ وھو ﷺ

لایرجوا الا الامر الحق الموافق للواقع فترجیه للاصلاح من الحسن بدل علی صحة نزوله لمعاویة عن الخلافة۔ [1]

حاصل یہ ہے کہ ان دونوں حضرات (سیدنا حسنؓ اور حضرت معاویہؓ) کے مابین مشہور صلح و مصالحت ایک ہارہی ہوئی ہے اور وہ صلح آنجناب کی پیش گوئی کی صحیح مصداق تھی، اسی کے متعلق ترجی یعنی امید وابستہ کرنا مذکور ہے اور وہ امر حق کے موافق تھی اور آنحضرت ﷺ نے جس صلح کو پسند فرمایا تھا وہ بشارت اس سے مکمل ہوگئی (اور یہ حضرت معاویہؓ کی خوش نصیبی ہے کہ وہ حضور کی پیش گوئی اور پسندیدہ صلح کا ذریعہ اور اس کا ایک حصہ بنے)

اب اس واقعہ میں ایک فریق کے حق میں خدیعت و خیانت و کدورت و غدر کی نسبت کرنا بالکل بے جا اور ناروا ہے کیونکہ اس طرح تو سیدنا حسنؓ نے اس صلح میں دھوکہ کھایا اور خسارہ اٹھایا اور آنحضور علیہ السلام نے اس سے جو اچھی امید وابستہ کی تھی اور جس کی بشارت دی تھی وہ معاذ اللہ پوری نہ ہوسکی۔ وجہ یہ ہے کہ جس صلح میں دھوکہ دہی اور فسادنیت اور غدر ہو وہ صلح ہی کیسے ہوئی؟

یہاں سے معلوم ہوا کہ "ہدنۃ علیٰ دخن" والی روایت کا مصداق اگر یہ مصالحت و صلح قرار دی جائے تو ان دونوں روایات کے مفہوم میں تعارض و تخالف واقع ہوتا ہے فلہٰذا ہدنۃ علیٰ دخن" والی روایت کا مصداق کوئی دوسرا واقعہ ہے یہ مصالحت مذکور محمل نہیں۔

(۳) نیز اس مقام پر یہ چیز نہایت قابل لحاظ ہے کہ اس صلح میں بنی ہاشم حضرات اور بہت سے اکابر صحابہ کرامؓ شامل ہوئے تھے اور ان حضرات کے عمل اور تعامل نے اس صلح کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کردی اور اس پر رضامند ہوگئے۔ اگر اس صلح کو کدورت اور دھوکہ پر محمول کیا جائے تو کیا ان حضرات کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ دھوکہ اور فریب کاری کی جارہی ہے اور کیا یہ حضرات اتنے سادہ لوح، غافل اور سطحی فکر کے حامل

[1] صواعق محرقہ، ص ۲۱۸ طبع مصر

تھی کہ فریق مقابل کی فریب دہی کو نہ سمجھ سکے (جیسا کہ آج کل کے دانشور اور امت میں فساد کے خواہاں خود ساختہ محققوں نے سمجھ لیا ہے)

نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ان تمام اکابر بنی ہاشم اور صحابہ کرامؓ کے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ تمام عمر اچھے تعلقات اور خوشگوار روابط رہے۔ یہ چیز بھی اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ مصالحت مذکور میں کسی قسم کی دھوکہ دہی نہیں تھی ورنہ یہ معاملات کیسے درست رہ سکتے تھے؟

اس سلسلہ میں ایک شیعہ مؤرخ کی روایت کا حوالہ کافی ہے۔ ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری شیعہ اپنی کتاب اخبار الطوال میں لکھتے ہیں:

ولم یر الحسن ولا الحسین طول حیاة معاویة منه سوء فی انفسهما ولا مکروها ولا قطع عنهما شیئا مما کان شرط لهما ولا تغیر لهما عن بر۔ [1]

یعنی حضرات حسنین کریمینؓ نے اپنی ذات کے متعلق حضرت معاویہؓ کی مدت خلافت میں کوئی بری بات اور ناگوار چیز نہیں دیکھی جو شرائط حضرت معاویہؓ نے ان سے کی تھیں ان کو پورا کیا اور جو احسان و بہتر سلوک ان کے حق میں جاری کیا تھا اس کو بدلا تک نہیں۔

کیا کسی اہلِ عقل کے نزدیک دھوکہ اور فریب والی مصالحت اسی انداز کی ہوا کرتی ہے۔ ذرا انصاف فرمائیں۔ اس صلح کو صرف حضرت معاویہؓ کی ذات کو بدنام کرنے اور اہلِ بیت رسول کا مخالف قرار دینے کے لئے "ہدنہ علیٰ دخن" کہنے والے آخر کس حد تک بغض معاویہ میں گر سکتے ہیں۔

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۶

## کیا حضرت معاویہؓ باغی تھے؟

اس سوال کے جواب کے لئے ہم حضرت معاویہؓ کی زندگی کو تین حصوں میں دیکھتے ہیں:

**پہلا حصہ:** مسلمان ہونے کے بعد ان کی زندگی کا پہلا حصہ حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کا ہے۔ جس میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت کے شرف سے مشرف ہوئے، آپؐ سے رشتہ داری اور وحی الٰہی و فرامین نبوی کی کتابت کا اعلیٰ مقام اور فضیلت حاصل کی اور رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں امین قرار پائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کا اعتماد اور بھروسہ حاصل کر کے اسلامی جنگوں میں عظیم خدمات انجام دیں۔ خلفائے ثلاثہؓ کی طرف سے دمشق اور شام کی ولایت پر مامور ہوئے یعنی سنہ ۸ ھ سے حضرت عثمانؓ کی شہادت سنہ ۳۵ھ تک حضرت معاویہؓ کی زندگی بالکل آئینہ کی طرح صاف ستھری رہی۔ اتالیق امت مدبرِ حکومت سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ اور شہید مظلوم حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں امیروں اور عمّال کی معزولی اور ان کی جگہ دوسروں کو مقرر کرنے کے بہت سے واقعات پیش آئے مگر حضرت معاویہؓ کو ان حضرات کا معزول نہ کرنا اور برابر کام لیتے رہنا، ان کے خلاف دربارِ خلافت میں کسی شکایت کا نہ آنا ان کی اس زندگی کے بہتر اور بے غبار ہونے کی روشن دلیل ہے۔

**تیسرا حصہ:**[1] آپ کی زندگی کا تیسرا حصہ وہ ہے جب مسلمانوں کی خیراندیشی اور قتل و خوں ریزی سے ان کو بچانے اور دشمنانِ اسلام کی امیدوں پر پانی پھیرنے کے لئے حضرت حسن ابن علیؓ سے آپؓ نے صلح کر لی۔ آپؓ کی زندگی کا یہ حصہ بھی بڑا شاندار رہا ہے۔ اب آپؓ کسی کے ماتحت نہیں مستقل خلیفہ ہیں۔ شاہانِ اسلام میں پہلے بادشاہ ہیں اور فرمانِ نبویؐ "ثم تکون ملک و رحمۃ" کے مصداق اول ہیں۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت و سلطنت کے وہ مظہر ہیں جس کی پیش گوئی تورات میں بھی

[1] مصلحتاً تیسرا حصہ دوسرے حصے پر مقدم کر دیا گیا ہے۔

ذریعے اور نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے بھی اس کی طرف اشارے موجود ہیں۔
تورات میں حضورؐ کے حالات میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں" مولدہ مکۃ و مھاجرہ طیبۃ وملکہ بالشام" (ابونعیم وابن ابی حاتم) یعنی آخری نبی کی جائے ولادت مکہ ہوگی ہجرت گاہ مدینہ منورہ اور ملک شام ہے) یہ جملہ ملکِ شام میں حضور کی حکومت کی خبر دے رہا ہے اور اس کے پہلے مصداق حضرت معاویہؓ ہیں۔ [1]

ملاعلی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

واول ملوك المسلمين معاوية وهو افضلهم لكنه انما صار اماماحقا لما فوض اليه حسن بن على الخلافة ۔ [2]

شاہانِ اسلام میں پہلے بادشاہ حضرت معاویہؓ ہیں اور وہ افضل اور بہترین بادشاہ ہیں لیکن وہ امام برحق ہوگئے جب حضرت حسنؓ بن علیؓ نے ان کو خلافت سپرد کردی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

اما خلافة معاوية بن ابى سفيان فثابتة صحيحة بعد موت على وبعد خلع الحسن عن الخلافة و تسليمها الى معاوية ۔ [3]

حضرت معاویہؓ کی خلافت بعد وصال حضرت علیؓ اور بعد سپردگی حضرت حسنؓ ثابت اور صحیح ہے۔

حضرت حسنؓ کا ان کو خلافت سپرد کردینا، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ان کی خلافت کو صحیح قرار دینا، ملاعلی قاری کا ان کو امام برحق تسلیم کرنا، حضرت حسنؓ کا ان سے بیعت کرنا اور لوگوں کو ان کی اطاعت کا حکم دینا، ان کی خلافت میں اسلامی فتوحات کا ہونا اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی کا بقول علامہ ابن عبدالبر ہاتھ نہ کھینچنا اور مخالفت نہ کرنا ان کی

[illegible] مطبع دارالبشائر الاسلامیہ بیروت

اس تیسری زندگی کی حقانیت و دیانت کے لئے کھلی ہوئی دلیل اور روشن ثبوت ہے۔

دوسرا حصہ: اب دوسرا حصہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کا اختلاف ہوا اور جنگ کی نوبت آگئی۔ اس کے متعلق امت کا نظریہ یہ ہے کہ وہ باغی ضرور ہیں لیکن مستحق لعنت و ملامت نہیں بلکہ اپنے اجتہاد کی وجہ سے ایک ثواب کے مستحق ہیں۔

خلیفۂ رسول اور امیر المومنین کے خلاف ان کا خروج طلب حکومت کے لئے نہیں بلکہ ایک شرعی مسئلہ کے نفاذ اور اس پر عمل درآمد کے سلسلہ میں تھا اور حالات کے تحت حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور حضرت معاویہؓ اجتہادی غلطی پر تھے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

''تمام اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ حق حضرت علیؓ اور ان کے اصحاب کی طرف تھا۔ ---- یہ حضرات اس پر بھی متفق ہیں کہ ان میں سے کسی کی مذمت نہیں کی جائے گی بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے اجتہاد کیا اور ایک فریق سے اجتہادی غلطی ہوئی۔[1]

امام نوویؒ، علامہ تفتازانیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ زرقانیؒ، علامہ ابن ہمامؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام غزالیؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ، علامہ ابن عابدین شامیؒ، امام علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ وغیرہم سب کی رائے یہی ہے۔

حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ فرماتے ہیں:

''صفین کی لڑائی کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ خلیفۂ برحق تھے اور حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھ والے باغی اور خاطی، مگر اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں، صاحب فضائل ہیں اور ان کی یہ خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے۔ ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں

[1] فتح الباری ج ۱۳، ص ۵۳

جس پر عقلاً وشرعاً کسی طرح مواخذہ نہیں ہوسکتا۔۔۔۔۔ حضرت معاویہؓ ابتداءً تو باغی تھے مگر حسن بن علیؓ کی صلح وبیعت کے بعد وہ بلاشبہ خلیفۂ برحق ہوگئے"۔ [1]

ان اکابر کے اقوال وآرا سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت کی ابتدا سے حضرت حسنؓ کی خلافت سے دست برداری اور بیعت کرنے تک حضرت معاویہؓ باغیوں میں سے تھے لیکن جب حضرت حسنؓ نے خلافت ان کے سپرد کردی تو ان کی بغاوت ختم ہوگئی، اس لئے ان کو ہمیشہ باغی اور خاطی سے یاد کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ سراسر ناانصافی، ظلم اور جہالت وتعصب ہے۔

## ایک ضروری وضاحت

اس ضمن میں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ سیدنا علیؓ کے متعدد اقوال میں حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے لئے بغاوت کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے تفسیر قرطبی ج:۱۶ص ۳۲۳ میں ہے: "قال اخواننا بغوا علینا" (حضرت علیؓ نے فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں، ہم پر بغاوت کردی) اس میں اخوت سے مراد دینی اخوت ہے یعنی وہ سب ہمارے دینی بھائی ہیں اور "بغاوت" سے بغاوتِ لغوی مراد ہے۔ یعنی زیادتی اور حد سے تجاوز کرنا وغیرہ۔ یہاں اصطلاحی بغاوت مراد نہیں ہے۔

وجہ یہ ہے کہ بغاوت اصطلاحی اس کو کہا جاتا ہے کہ ایک خلیفہ برحق کے خلاف کسی شخص کا اپنی رائے اور تاویل کی بنا پر کھڑے ہونا۔ سیدنا علیؓ تو کسی خلیفہ کے باغی نہیں تھے اور کسی خلیفہ کے خلاف وہ کھڑے نہیں ہوئے تھے مگر پھر بھی وہ اپنی طرف بھی بغاوت کو اسی طرح منسوب کرتے ہیں جس طرح حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کیلئے۔ وہ فرماتے ہیں: ان کا گمان ہے کہ ہم نے ان پر بغاوت کی اور ہم خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے ہم پر بغاوت کی۔ چنانچہ ابن عساکر، علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی

---

[1] خلفائے راشدینؓ ص ۱۸، عقیدہ نمبر ۱۱

نے نقل کیا ہے کہ

قال اسحٰق بن راھویہ حدثنا ابونعیم حدثنا سفیان عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال سمع علی یوم الجمل و یوم صفین رجلا یغلوفی القول فقال لاتقولوا الاخیرانھم قوم زعموا انّا بغینا علیھم و زعمنا انھم بغوا علینا فقاتلناھم۔ [1]

حضرت جعفر صادق اپنے والد حضرت محمد بن باقرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اہلِ صفین یا اہلِ جمل کے سلسلہ میں ایک آدمی کو سنا کہ وہ ان کی طرف کفر کی نسبت کر رہا ہے تو فرمایا کہ ان کے حق میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہو "تحقیق ان لوگوں نے یہ گمان کیا کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم اپنی جگہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔

## حضرت امیر معاویہؓ کا عہدِ خلافت اور ان کی جنگی خدمات

یہ بات تمام مؤرخین کے نزدیک تسلیم شدہ ہے کہ خلافت راشدہ کے مبارک دور کے بعد سیدنا حضرت معاویہؓ کا عہد خلافت اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں اسلام کی ترقی ہوتی گئی، قریبی اور دور دراز ممالک پر جہاں یہود و نصاریٰ کا غلبہ تھا اسلام غالب آیا اور مخالفتِ اسلام پر کمربستہ بڑی بڑی سلطنتوں کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت معاویہؓ میں فطری طور پر انتظامی صلاحیتیں اس قدر تھیں کہ ان کے انتظام میں ایک وسیع و عریض اسلامی سلطنت قائم تھی۔ اس سلطنت کی حدود بخارا سے لے کر مغرب میں قیروان تک، اقصائے یمن سے قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے علاوہ حجاز، یمن، شام، مصر، مغرب، عراق، الجزیرہ، آرمینیہ، روم، فارس، خراسان

[1] تاریخ دمشق (ابن عساکر) ج ۱ ص ۳۲۹ طبع دمشق، منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ج ۳ ص ۶۱، المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۳۵

اور ماوراء النہر یہ تمام ممالک اور علاقے ان کی ماتحتی میں تھے۔ [1]

حضرت معاویہؓ میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیتیں پیدائشی طور پر رکھی تھیں۔ چنانچہ اسلام میں آنے کے بعد دور نبوت کی جنگوں میں شرکت، دور صدیقی میں "خبر الیرموک" کے تحت بعض دستوں پر امیر کی حیثیت سے تقرر اور ملک شام میں ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کی کمک والے دستہ پر امیر بنا کر روانہ کیا جانا ان کی جنگی اور انتظامی صلاحیتوں کا پتہ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو حکمرانی کے مسئلہ میں گہری بصیرت عطا فرمائی جو عام حکمرانوں میں کم ہوتی ہے، ان کی دور بین نگاہوں نے بھی حضرت معاویہؓ کے اس جوہر اور مہارت کو سمجھ لیا تھا جس سے انہوں نے کام لیا، سواحل اردن، سواحلِ دمشق کی فتوحات میں حضرت معاویہؓ کے فہم و تدبر اور ان کی جرأت و ہمت نے بڑا کام کیا، طرابلس اور دمشق کے دیگر علاقوں کو بڑی آسانی سے فتح کر کے وہاں اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ اسی طرح قیساریہ کی مہم میں کافی وقت صرف ہوا تھا جہاں اکابر صحابہ کرام حضرت عمرو بن العاصؓ، ابوعبیدہ بن الجراحؓ، اور یزید بن ابی سفیانؓ وغیرہ نے کئی بار چڑھائی کی تھی سنہ ۱۸ھ یا سنہ ۱۹ھ میں حضرت معاویہؓ نے اس کو بھی فتح کر لیا۔ اس فتح کی خوشخبری سن کر امیر المومنین فاروقِ اعظمؓ نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر قیساریہ کی فتح کا اعلان فرمایا تھا۔ اس دوران حضرت معاویہؓ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ بلادِ روم کی طرف بھی پیش قدمی کی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا والی اور حاکم بنا دیا اور سالانہ دس ہزار دینار کا وظیفہ مقرر فرما دیا جو اس دور کے والیوں سے بہت زیادہ تھا اور امیر المومنین کی طرف سے ان کی حسنِ کارکردگی کی تصدیق و تائید تھی۔ کیم محرم الحرام سنہ ۲۴ھ میں فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں جنگی سلسلہ اور دراز ہوا تو سنہ ۲۷ھ میں حضرت معاویہؓ نے قنسرین کو فتح

[1] کتاب دول الاسلام ذہبی ج: ۱ ص ۲۸۔

کیا اور قبرص کی طرف پیش قدمی کر کے اسے بھی فتح کرلیا۔ جس کے شرکاء کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔

خلفائے ثلاثہ کے دور کی جنگوں اور اس کے تجربات نے حضرت معاویہؓ کو اور نکھار دیا تھا، حضرت علی مرتضیٰؓ کے دور میں خانہ جنگی کے باعث اسلامی فتوحات رک گئی تھیں لیکن حضرت حسنؓ سے مصالحت کے بعد وہ سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ بری غزوات کے علاوہ بحری غزوات میں بھی آپؓ نے مسلسل کوششیں جاری رکھیں جن کے بہترین نتائج برآمد ہوئے۔ اسی لئے آپ کو اسلام میں "اولین امیر البحر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسی کے ساتھ ساتھ مدینۂ قیصر یعنی قسطنطنیہ کی فتح بھی آپ کے دور خلافت میں ہوئی جس کے فتح کرنے کی متعدد بار کوششیں ہوئی تھیں جس کے متعلق حدیث میں "اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم"[1] کی بشارت نبی علیہ السلام نے دی تھی چنانچہ قسطنطنیہ بھی (علی اختلاف الاقوال) سنہ ۵۲ھ میں اسلامی مملکت میں آ گیا۔

سنہ ۵۳ھ میں صحابی رسول حضرت جنادہ بن امیہ ازدیؓ کی سرکردگی میں جزیرہ روڈس فتح ہو گیا اور ملک شام کے کئی بڑے اور اہم علاقے حضرت معاویہؓ کے دور میں فتح ہوئے۔ دوسری طرف افریقہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے اسلام کا پرچم لہرایا اور عقبہ بن نافع فہریؓ کو دس ہزار مجاہدین کا لشکر دے کر وہاں روانہ کیا، تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ سنہ ۵۰ھ یا سنہ ۵۱ھ میں خونخوار درندوں کے جنگل خالی کرنے کا عقبہ بن نافعؓ کی کرامت سے پیش آیا تھا جس کو دیکھ کر بربر قوم کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی جنگل کو کاٹ کر شہر قیروان بسایا گیا۔[2]

افریقہ میں جلولاء اور صقلیہ شہر بھی حضرت معاویہؓ کے دور میں معاویہ بن خدیجؓ کی کوششوں سے فتح ہوئے اور قرطاجنہ کا جزیرہ بھی مخالفین اسلام سے خالی کرا لیا گیا۔

[1] بخاری ج: ۱ ص ۴۱۰
[2] البدایہ ج: ۸ ص ۴۵

سیدنا امیر معاویہؓ کی ان کوششوں سے اسلامی حکومت کو بہت فائدہ ہوا، جزیہ اور غنیمت کے مال کثرت سے دار الخلافت دمشق پہونچنے لگے چنانچہ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ دمشق سے تاریخ ابن عساکر ج:اص ۲۳۹ کے مطابق فوجی اخراجات، حکام کی تنخواہیں، مؤذنوں اور قاضیوں وغیرہ کے اخراجات وتنخواہیں ادا کرنے کے بعد چار لاکھ دینار سالانہ بیت المال میں آئے تھے۔ عراق سے بلاذری کے مطابق پچاس لاکھ درہم اور الاصابہ کے بقول مصر سے نوے لاکھ دینار اور شیعی مؤرخ یعقوبی نے پچاس لاکھ دینار ذکر کئے ہیں۔ بیت المال میں آنے والی اس آمدنی سے تمام ملکی مصارف پورے ہوتے تھے۔ اسلامی حکومت کی معاشی، صنعتی ترقی اسی سے وابستہ تھی اور دین اسلام کے فروغ میں اسے صرف کیا جاتا تھا۔ تاریخ بلدہ دمشق میں ابن عساکر نے حضرت معاویہؓ کے عہد کی وسعت اور کارگزاری کا ایک اجمالی نقشہ یوں پیش کیا ہے:

فـفـتـح الله به الفتوح ويغزو الروم ويقسم الفئ والغنيمة ويقيم حدود الله والله لايضيع اجر من احسن عملا۔ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر معاویہؓ کے ذریعہ سے بے شمار ممالک فتح کرائے ملک روم (جو اس دور کی عظیم سلطنت تھی) ان کے سبب سے مفتوح ہوا (ان ممالک میں) حضرت معاویہؓ مال فئے اور اموال غنیمت مستحقین میں تقسیم کرتے تھے اور حدود اللہ کو جاری کرتے تھے۔ اللہ کریم کسی شخص کے نیک عمل کے اجر وثواب کو ضائع نہیں کرتا۔

## حضرت معاویہؓ کا اندازِ حکومت اور اخلاق

حضرت معاویہؓ کا اخلاق وکردار اور انداز حکمرانی نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا، اپنی رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک بہت عمدہ تھا اور فرمان رسول کے مطابق عوام کی سہولیات اور

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر مخطوط) بحوالہ سیرت امیر معاویہؓ مولانا محمد نافع ص ۲۷۵

خدمات کے لئے آپ نے لوگوں کو مقرر کر رکھا تھا۔علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

حضرت معاویہؓ کا تعلق اپنی رعیت کے ساتھ بہترین تھا جس کی وجہ سے رعایا آپ کو پسند کرتی تھی، آپ کا شمار بہترین حکام میں ہوتا تھا، صحیحین کی روایت ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا: تمھارے بہترین حاکم وہ ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو اور وہ تم کو پسند کرتے ہوں، تم ان کے حق میں دعا کرتے ہو اور وہ تمھارے حق میں دعا کرتے ہوں۔ [۱]

چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے آپ کے اندازِ حکمرانی کو بغوی کی سند کے ساتھ ابوقیس سے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک آدمی مقرر کیا ہوا تھا جو محفلوں میں جاکر معلوم کرتا تھا کہ کیا اس قبیلہ میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے یا نہیں؟ کیا اس رات میں کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے یا نہیں؟ یا کوئی مہمان قبیلہ میں آیا ہے۔وہ یہ معلومات لے کر دفتر پہونچتا اور ان کے نام رجسٹر میں درج کرتا (تاکہ ان کی ضروریات کا حکومت کی طرف سے انتظام کیا جائے۔ [۲]

ابن سعد نے طبقات میں اور ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں حضرت معاویہؓ کے دور کا ایک واقعہ لکھا ہے جس سے فرمانِ نبوی کی تعمیل اور مخلوق خدا کی حاجت برآری کے لئے ان کی فکرمندی اور مستعدی ظاہر ہوتی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

''ایک صحابی ابو مریمؓ امیر معاویہؓ کے پاس پہونچے، امیر نے فرمایا: یہاں تشریف رکھئے، ابو مریمؓ نے فرمایا: میں کسی اور کام کے لئے نہیں آیا ہوں صرف فرمانِ نبوی پہونچانا ہوں: حضور ﷺ سے میں نے سنا تھا کہ فرماتے تھے جس شخص نے حاجتمندوں کے سامنے اپنا دروازہ بند کر دیا، اس کی ضرورت نہ سنی تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کا دروازہ آسمان سے بند کر دیں گے۔یہ سن کر حضرت معاویہؓ اوندھے منہ گر کر رونے

---

[۱] منہاج السنہ ج:۳ ص ۱۸۹ [۲] منہاج السنہ ج:۳ ص ۱۵۸

لگے پھر اپنے دربان سعد نامی کو بلوایا اور ابو مریم سے فرمایا: اب پھر فرمانِ نبوت سنایئے انہوں نے وہی حدیث سنائی۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے اپنے دربان سعد سے فرمایا میں نے اپنے گلے سے بات کو نکال کر تیرے گلے میں ڈال دی اور حکم دیا کہ جو حاجت مند آئے اسے میرے پاس پہنچنے کی اجازت دیدینا، اس کے حق میں اللہ تعالیٰ میری زبان پر جو فیصلہ چاہیں گے کریں گے۔ [1]

ابوداؤد شریف میں بھی اسی طرح کا واقعہ مذکور ہے۔

ان حوالہ جات سے جو تاریخی رطب ویابس نہیں بلکہ حدیث کی روایات ہیں جن سے حضرت معاویہؓ کا طرزِ حکومت، اندازِ زندگی اور حسنِ معاشرت کا پتہ چلتا ہے اکابرامت کی ان تصریحات کے باوجود حضرت معاویہؓ کے حق میں یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ ان کی عادات قیصر و کسریٰ والی تھیں اور ان کی زندگی انہیں کے انداز پر بسر ہوتی تھی سراسر ناانصافی اور واقعات کے برعکس ہے۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے ان کو "عرب کا کسریٰ" کہہ کر ان کے رعب و دبدبہ، شجاعت و ہمت، اور فراست و بصیرت کی داد دی تھی، ان کو کسریٰ کی طرح گھمنڈی، شان و شوکت پر اترانے والا اور رعایا سے بے فکر ہرگز نہیں کہا تھا کیونکہ جب حضرت معاویہؓ نے اپنے علاقے کے حالات اور مخالفین اور جاسوسوں کے متعلق اپنا اندیشہ ظاہر کیا اور حفاظتی تدابیر کی غرض سے دربان رکھنے کی وجہ پیش کی تو ماہرِ سیاست، نباضِ امت خلیفۂ ثانی نے مزید رد و انکار نہ فرما کر ان کی بات کو تسلیم کر لیا اور عملی طور پر ان کی تائید و تصویب فرمادی۔

ایک شہادت اس سلسلہ میں اور ملاحظہ فرمالیں۔ اس میں مریض دلوں کے لئے شفا بھی ہے، کسرویت کے الزام کی تردید بھی اور حضرت معاویہؓ کے عدل و انصاف کی گواہی بھی۔ مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں:

[1] طبقات ابن سعد ج: ۷ ص ۱۵۰، جامع الاصول ابن اثیر جزری ج: ۴ ص ۴۴۵

ما رأيت احدا بعد عثمان اقضىٰ بحق من صاحب هذا الباب يعني معاوية.[1]

یعنی سیدنا عثمان غنیؓ کے بعد حق کے ساتھ فیصلہ کرنے میں حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

امام اعمشؒ (جو ثقہ تابعی اور بڑے محدث ہیں) فرماتے ہیں کہ:

''حضرت امیر معاویہؓ حلم وکرم میں ہی نہیں بلکہ عدل و انصاف میں بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے بڑھ کر تھے۔ [2]

## حضرت معاویہؓ کا وصال

حضرت معاویہؓ کے آخری دنوں میں جو واقعات اور حالات پیش آئے ہیں وہ بھی بڑے بصیرت افروز ہیں جو ان کی خوف وخشیت، محبت رسولؐ اور فکر آخرت کی دلیل ہیں اور یہ دولت ایک مسلمان کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔

حضرت معاویہؓ نے وصال سے پہلے وصیت فرمائی کہ:

۱۔ میرے ذاتی اموال میں سے آدھا حصہ اسلامی بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ گویا کہ وہ احتیاطاً اپنے مال کو صاف کرنا چاہتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی آخری اوقات میں یہی کیا تھا کہ اپنا مال تقسیم کر دیا تھا۔ [3]

۲۔ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند تبرکات محفوظ ہیں ان میں سے ایک چیز موئے مبارک ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں صفا مقام پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھا آنحضرتؐ نے اپنے بال مبارک کٹوانے کا ارادہ فرمایا تو یہ خدمت میں نے سرانجام دی اور قینچی سے آپ کے بال مبارک کاٹے ان میں

---

[1] البدایہ ج:۸ ص ۱۳۳، تاریخ اسلام ذہبی ج:۲ ص ۳۲۱

[2] منہاج السنۃ ج:۳ ص ۱۸۵، المنتقیٰ ذہبی ص ۳۸۸

[3] البدایہ ج:۸ ص ۱۴۱

سے چند بال میں نے حاصل کر لئے، وہ میرے پاس محفوظ ہیں جب میرا انتقال ہو جائے تو ان کو میرے منہ اور ناک میں رکھ دیا جائے۔ [۱]

اسی طرح آپؓ کے پاس حضورؐ کے ناخن کے تراشے بھی محفوظ تھے ان کے متعلق بھی وصیت فرمائی کہ ان کو بھی آنکھوں اور کان میں ڈال دیا جائے۔ [۲]

حضور پاک کا ایک مبارک کرتا بھی آپ کے پاس تھا جس کو کفن میں شامل کرنے کی وصیت فرمائی۔ [۳]

آخری ایام میں جب بیماری کا غلبہ ہوا تو اس وقت آپؓ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جس نے تقویٰ اختیار کیا اللہ اس کو ہلاکتوں سے بچالیتا ہے اور جو اللہ سے خوف نہیں کھاتا اس کے لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ اس کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ [۴]

انتقال کے وقت کے یہ حالات اور حضرت معاویہؓ کی یہ کیفیت ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت، گہری وابستگی اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور مواخذہ آخرت سے بچنے کی کھلی ہوئی دلیل ہے، اگر ان کے دل میں کسی طرح کی دنیاداری اور قیصریت وکسرویت کے جذبات ہوتے تو کیا ان سے اس طرح کی توقع کی جا سکتی تھی۔ دنیا سے ان کے جانے کا یہ انداز العبرۃ بالخواتیم (خاتمہ کا اعتبار ہوتا ہے) کا واضح نمونہ ہے جو ان کی کامیابی اور عند اللہ ان کی مقبولیت کی کھلی نشانی ہے۔

آپ کی تاریخ وفات میں مؤرخین کا اختلاف ہے بعض نے ۴؍رجب سنہ ۶۰ھ ذکر کی ہے، بعض نے ۱۵؍رجب، لیکن زیادہ مشہور قول ۲۲؍رجب سنہ ۶۰ھ کا ہے۔

آپ نے چار شادیاں کی تھیں، چار لڑکے اور چار ہی لڑکیاں تھیں۔

---

[۱] تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ج:۱۶ ص۷۵۵
[۲] تہذیب الاسماء للنووی ج:۲ ص۱۰۳
[۳] انساب الاشراف ج:۴ ص۱۳۱
[۴] البدایہ ج:۸ ص۱۳۲

# حضرت معاویہؓ کے خلاف الزامات و مطاعن پر ایک نظر

۱

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرامؓ کے سلسلہ میں علمائے امت نے ایک ضابطہ اور قانون بیان کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام صحابہؓ کے متعلق حسن ظن رکھا جائے اور ان پر اعتراضات والزامات سے پرہیز کیا جائے نیز ان پر لگائے جانے والے بہتانوں سے ان کا دامن پاک کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر ان پر کوئی اعتراض قائم ہوتا ہو اور ان کی ذوات قدسیہ اس میں متہم نظر آتی ہوں تو اس کی کوئی عمدہ تاویل کر لی جائے اور گنجائش مل جائے تو اس صورت میں اس روایت کے راویوں کی طرف اس جھوٹ کی نسبت کر دی جائے اور صحابہ کرامؓ کی طرف غلط چیز کو منسوب کرنے سے احتیاط برتی جائے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفى كل رذيلة عنهم، وان انسدت الطرق (طرق تاويلها) نسبنا الكذب الى الرواة۔[۱]

ہم کو (شریعت کی طرف سے) یہ حکم دیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے سلسلہ میں اچھا گمان رکھیں اور ہر رذیلہ (غلط بات) کو ان سے ہٹائیں اگر تاویل کے راستے بند ہو جائیں (یعنی کوئی معقول تاویل ان کے عمل کی نہ کی جا سکے تو) اس جھوٹ کو راوی کی طرف منسوب کر دیں۔ (اور صحابہؓ کے دامن کو بچالیں۔)

ظاہر بات ہے کہ شریعت کے حکم پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے لہٰذا تمام صحابہ کرامؓ کے بارے میں حسن ظن رکھنا امت پر واجب ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے بھی

[۱] مسلم (نووی ج:۲ ص:۹۰)

ہدایت فرماتے ہوئے لکھا ہے:

پس زبان را از جفائے ایشاں باز باید داشت و ہمہ را بہ نیکی بیاد باید کرد۔ ؂۱

پس زبان کو ان پر ظلم کرنے سے روکنا چاہئے اور تمام صحابہ کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے

حضرت سیدنا امیر معاویہؓ، حضرت ابو سفیانؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ یہ تمام حضرات برگزیدہ صحابی ہیں اور صحابہ کرامؓ کے متعلق احکامات سارے بزرگوں کے حق میں یکساں ہیں، لہٰذا ان کے خلاف بدزبانی اور بدگمانی کرنا نہایت برا فعل ہے اور اس سے آدمی کا اسلام مشکوک ہو جاتا ہے۔

حضرت امام احمدؒ سے فضل بن زیاد نے سنا کی امام موصوف سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی شان میں تنقیص اور عیب جوئی کرتا ہے کیا اس کو رافضی کہا جائے؟ تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ان دونوں حضرات پر وہی جرأت کر سکتا ہے جس کے اندر برائی پوشیدہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک صحابی کے ساتھ جو شخص بغض رکھتا ہے اس کے باطن میں خباثت چھپی ہوئی ہے۔ ؂۲

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"چاروں خلفائے راشدینؓ کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرامؓ سب سے بہتر ہیں، ان میں سے کسی ایک کی بھی برائی ذکر کرنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے، صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک کا بھی عیب اور نقص بیان کرنا اور اس پر طعن قائم کرنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ جو شخص یہ حرکت کرے اس کی تادیب ضروری ہے اور اس کو سزا دینا واجب ہے اور ایسے شخص کو معاف نہ کیا جائے بلکہ اس کو سزا دی جائے اگر توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے اور اگر وہ طعن کرنے

؂۱ مکتوبات امام ربانی ص ۸۴ دفتر اول حصہ دوم ؂۲ البدایہ والنہایہ، ج ۸ ص ۱۳۹

پر اڑا رہے تو اس کو دوبارہ سخت سزا دی جائے اور اس کو حبسِ دوام میں ڈال دیا جائے یا توبہ رجوع کرلے یا وہیں قید میں مرجائے نہ دیا جائے۔ [1]

پہلے گزر چکا ہے کہ خلیفۂ عادل حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کا طریقہ یہ تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف بدزبانی کرنے والے کو تازیانے لگواتے تھے تا کہ آئندہ بدکلامی اور بدگمانی سے باز رہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کی شخصیت خلفائے راشدینؓ وعشرہ مبشرہ کے بعد بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ خلافت کی صلح کے بعد ان کی خلافت کے دور میں اسلام کو بڑی ترقی ہوئی اور دین کو بہت فروغ نصیب ہوا اور دور دراز ممالک پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ خلافتِ راشدہ کے دور کے بعد حضرت معاویہؓ کا دور اسلام کی ترقی کا بہترین دور ہے۔

حضرت معاویہؓ کی عظمت شان، جلیل القدر خدمات اسلامیہ، اور خصوصی فضائل کے باوجود ان کی شخصیت کو مجروح کرنے اور ان کو عیب دار بنانے کی کوشش کیوں کی گئی اور ان پر اتنے اعتراض کیسے قائم ہوگئے۔ مشہور محقق اور مصنف معتبر عالمِ دین حضرت مولانا محمد نافع کثرتِ اعتراضات کے وجوہ کے تحت لکھتے ہیں:

اس دور (دورِ حضرت معاویہؓ) کے بعد بنوامیہ کے خلفاء وامراء یکے بعد دیگرے آتے رہے حتیٰ کہ ۱۳۲ھ بمطابق ۷۴۹ء میں بنی عباس کے ایک شخص ابوالعباس سفاح نے بنی امیہ کی خلافت اور حکومت ختم کر کے بنوعباس کی حکومت قائم کرلی۔ ظاہر بات ہے کہ بنوعباس نے بنوامیہ کے اقتدار کو ختم کیا تھا اور خاندانی وقبائلی تعصبات کے تحت یہ لوگ بنوامیہ کے سخت خلاف تھے جیسا کہ بعد میں آنے والی حکومت پیش رو حکومت کے عموماً خلاف ہوتی ہے، اور ایک قوم کی حکومت کو ختم کر کے دوسری قوم کا غلبہ واقتدار

[1] الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۵۷۳ طبع حیدرآباد

آتا ہے تو سابقہ حکومت کی خوبیوں کو بھی خرابیوں کے ساتھ بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کی اچھائیوں کو برائیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے بہترین کارناموں کو فروتر شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور ان کے خلاف کئی قسم کے غلط صحیح الزامات لگائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں سابقہ حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کے ساتھ بدظنی پھیلنے کے اسباب رونما ہوتے ہیں۔ گویا کہ سابق اقتدار میں یہ ایک قسم کی نظریاتی تفریق قائم ہو جاتی ہے اور پیش رو حکومت کے کار خیر کو بدنما شکل میں پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ دنیا میں قوموں کے معاشرے کا یہ ایک عام دستور چلا آرہا ہے۔

اس فطری اور نفسیاتی ضابطے کے تحت یہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ بنوعباس کے دور (دوسری صدی ہجری) میں عموماً تاریخ کی تدوین کی ابتدا ہوئی اور مورخین نے عام طور پر تاریخی وقائع مرتب کرنے میں نظریات مذکورہ بالا کو ملحوظ رکھا، اور وہ تاریخی واقعات جب مرتب کئے گئے تو ان کو عموماً ایسی شکل میں پیش کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور کی خوبیاں خرابیاں نظر آنے لگیں اور ان کے بہترین کارنامے عموماً داغدار کر کے ذکر کئے گئے اور ان کی اسلامی و ملی خدمات کو غلط صورت میں دکھایا گیا اور آپ کے دور کے محاسن و مفاخر کو پس پشت ڈال کر ان میں معائب و نقائص کے پہلو پیدا کئے گئے اور ایسے واقعات تاریخ میں بھر دیئے گئے جن سے امیر المومنینؓ کی شخصیت پر کئی قسم کے مطاعن قائم کئے جاسکیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کے عمدہ کردار و اخلاق کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور ان کی کردار کشی کی پوری سعی کی گئی اور آپ کے اعلیٰ کارناموں کو بدنما شکل میں دکھایا گیا۔

بعض مؤرخین نے اپنے دور کے حکام کی خوشنودی اور مراء کی رضامندی کو بھی پیش نظر رکھا اور ان کی نظروں میں اپنا مقام پیدا کرنے کی خاطر اپنی تصانیف میں مذکورہ

طرز اختیار کیا اور اس طریقے سے انھوں نے اپنے معاشی حالات کو مستحکم کیا۔ چنانچہ اس نہج تاریخ پر تاریخ نویسی کے متعلق کئی واقعات ایسے دستیاب ہوتے ہیں جو مندرجہ بالا امور پر شاہد ہیں اور اس کے مؤید ہیں جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے کہ بنو عباس کے خلفاء کے دورِ حکومت میں عموماً تاریخ کی تدوین ہوئی اور عباسیوں نے خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ کی شخصیت کو داغدار کرنے اور ان کے اعلیٰ مقام کو گرانے کے لئے عالمانہ طور پر ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جس کو نظر انداز کر کے ایک مؤرخ کا صحیح واقعات پر قلم اُٹھانا کوئی سہل کام نہیں تھا۔

مذکورہ بالا حقائق صرف تخیل نہیں بلکہ سچائی ہے۔ شہادت ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ابوالعباس سفاح کی افواج کا امیر عبداللہ بن علی شہر دمشق میں تیغ برہنہ کے ساتھ داخل ہوا اور اس نے شہر میں قتل وغارت تین گھنٹوں کے لئے مباح قرار دے دیا۔ شہر دمشق کی جامع مسجد کو اپنے چوپایوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے لئے اصطبل کے طور پر ستر دن تک استعمال میں رکھا۔ [1]

اس کے علاوہ عباسیوں نے بنوامیہ کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے لئے اکابر بنوامیہ مثلاً حضرت امیر معاویہؓ، عبدالملک بن مروان، ہشام بن عبدالملک وغیرہ کی قبروں کو اکھیڑ ڈالا اور ان کے بے حرمتی کی۔ [2]

اسی طرح حافظ ذہبیؒ نے مامون رشید عباسی خلیفہ کے دور کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

''۲۱۱ھ میں مامون رشید عباسی خلیفہ نے اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا اور اس نے سرکاری طور پر اعلان کرایا کہ نبی اقدس ﷺ کے بعد تمام مخلوق میں سب سے بہتر علی مرتضیٰؓ ہیں اور اس امر کی منادی کرائی کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیانؓ کے حق میں کلمات

[1] البدایہ ج:۱۰ ص ۴۵ [2] البدایہ ج:۱۰ ص ۴۵

خبر کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔" [1]

ایک شیعہ مؤرخ کی بات بھی پڑھ لیں:

مشہور شیعہ مؤرخ مسعودی مامون کے حالات کے تحت لکھتا ہے:

"کہ سنہ ۲۱۱ھ میں مامون نے منادی کرائی کہ جو شخص بھی معاویہ کو خیر کے ساتھ ذکر کرے گا یا اس کو کسی صحابی پر مقدم جانے گا اس شخص سے حکومت بری الذمہ ہے۔ یعنی اس کی حفاظت کی ہم پر ذمہ داری نہیں ہے۔ [2]

مشہور مؤرخ علامہ شبلی نعمانی نے بھی اسلامی تدوینِ تاریخ پر ایک بہترین جائزہ پیش کیا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

"اسلامی تاریخ کے مؤرخین عموماً بنی عباس کے عہد میں ہوئے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ عباسیوں کے عہد میں بنوامیہ کے محاسن ذکر کرنے کی کسی شخص میں استطاعت نہیں تھی کیونکہ اگر کسی سے بنوامیہ کی خوبی کی کوئی چیز اتفاقاً صادر ہو جاتی تو اس کو کئی قسم کی ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑتا اور ہتکِ عزت کے علاوہ ناموافق انجام سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ دفترِ تاریخ میں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔" [3]

اس طرح کے سرکاری اعلانات اور سخت عملی اقدامات کے بعد تاریخ مرتب کرنے والوں نے جو تاریخیں مرتب کی ہیں وہ حضرت معاویہؓ کے حق میں معائب، نقائص اور مطاعن ہی درج کریں گے، ان سے حضرت معاویہؓ کے فضائل ومحامد اور ملی خدمات کے بیان کی امید رکھنا فضول ہے۔ الا ماشاء اللہ اگر کوئی مؤرخ ان فرامین شاہی سے متاثر نہ ہوا ہو تو وہ بہت کم اور شاذ کے درجہ میں ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ ان حالات میں حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف تاریخی مواد میں کثرت سے اعتراضات پائے گئے اور دشمنانِ صحابہؓ نے اپنے ذوق کے مطابق ان کو

---

[1] دول الاسلام ص ۹۴ تحت سنہ ۲۱۱ھ [2] مروج الذہب ج: ۴ ص ۴۰ [3] الانتقاد علی تمدن الاسلامی

خوب پھیلایا اور آں موصوف کی کردار کشی کی۔ یہی چیزیں حضرت معاویہؓ پر کثرت اعتراضات کا سبب بنیں۔ [۱]

حضرت معاویہؓ کو پڑھتے وقت ایک اصول سامنے رکھیں جس کو علماء نے بیان کر دیا ہے۔ انشاء اللہ ان کی طرف سے دل بے غبار رہے گا اور کسی خلجان میں نہیں پڑیں گے۔ وہ اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر کسی صحیح روایت سے طعن پیش کیا جائے جو اصول روایت کے اعتبار سے قابلِ قبول ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے گا اور طعن کی جو روایت قوانین فن کے اعتبار سے قابلِ رد اور نا قابلِ اعتماد ہو اس سے پیدا کردہ الزام رد کر دیا جائے گا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

"فترد کل من روایات التاریخ مایعود منها علی شین وعیب فی بعض اصحاب الرسول ﷺ۔ [۲]

"یعنی وہ تاریخی روایات جن میں بعض صحابہ کرامؓ پر عیب اور طعن پیدا کیا جاتا ہے وہ روایات قابلِ رد ہیں اور قبول کے لائق نہیں۔"

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

"جو روایات درایت اور عقل کے خلاف ہوں اور اصول شرعی کے مخالف ہوں ان کے متعلق یقین کیجئے کہ وہ بے اصل ہیں اور ان کے راویوں کا کوئی اعتبار نہیں۔" [۳]

اسی لئے علامہ ابن قیمؒ نے صاف صاف لکھدیا کہ: "حضرت معاویہؓ کے متعلق مذمت کی روایات محض جھوٹ ہیں اور اعتبار کے لائق نہیں"۔ [۴]

---

[۱] سیرت حضرت امیر معاویہؓ ص ۴۵۹ تا ۴۶۳ [۲] احکام القرآن ج: ۳ ص ۲۸۴
[۳] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث (عراقی) ص ۲۴۹، ۲۵۰ طبع مدینہ منورہ
[۴] المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ص ۱۱۷ الفصل نمبر ۴۳ مطبوعہ حلب

## طاعنین کی قسمیں

سیدنا حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف بدظنی اور نفرت کی فضا پیدا کرنے والے کئی طرح کے لوگ ہیں:

(۱) ایک تو وہ ہیں جو اپنے کو شیعہ کہتے ہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ سے ان کی بدظنی بلکہ دشمنی جگ ظاہر ہے، ان کی تمام تر کوششیں حضرت امیر معاویہؓ کی برائی اور تنقیص شان میں ہی صرف ہوتی ہیں، ان کا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ یہی ہے۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جو اکابر صحابہ کرامؓ سے عقیدت رکھتے ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد کی محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن وہ سمجھتے ہیں حضرت معاویہؓ کی تنقیص اور ان کی عیب جوئی کئے بغیر اہل بیت نبیؐ سے محبت نہیں ہو سکتی۔

(۳) تیسرے وہ لوگ ہیں جو صرف ظاہر روایات پر نظر کرنے کی وجہ سے حضرت معاویہؓ پر طعن اور عیب جوئی کرتے ہیں۔ روایت کی تاویل اور اس کے صحیح مفہوم تک ان کی پہنچ نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ اپنی کم فہمی کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہیں۔

(۴) چوتھے وہ لوگ ہیں جو اپنے کو اہل سنت و جماعت کہتے اور دوسروں کو بھی باور کراتے ہیں لیکن حضرت معاویہؓ کی تنقیص اور عیب چینی کرنے میں پوری قوت لگائے ہوئے ہیں۔ یہ اسی دور کا فتنہ ہے اور گمراہی پھیلانے میں زیادہ خطرناک اور "گلے پہ رکھتے ہیں تلوار وہ گلے مل کر" کا مصداق ہے۔

تمام اہل سنت کے نزدیک یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ صرف حضرات انبیائے کرام معصوم ہیں ان کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، انبیائے کرام کے سوا بڑے سے بڑے کسی بھی انسان سے غلطی کا صدور ممکن ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ بھی اسی کے تحت آتے ہیں لیکن وہ کتنے خوش نصیب تھے کہ اگر کہیں ان سے کوئی بھول اور غلطی ہوئی تو اللہ نے ان

کی معافی کے سامان کر دیئے اور ان سے اسی دنیا میں مغفرت اور جنت کے وعدے بھی فرمائے اور وہ وعدے یقیناً پورے ہو کر رہیں گے۔ لیکن اسلامی قانون کی رو سے صحابہ کرامؓ کا دفاع کرنا اور ان کے دامن پر گندے ہاتھوں اور کج فکری سے لگائے جانے والے میل کو دور کرنے کی کوشش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام صحابہ کرامؓ اور اہل بیت نبوی سے محبت کی توفیق نصیب فرمائے اور سب کی طرف سے بدگمانی سے بچائے۔ آمین

ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنو اربنا انك رؤف رحیم۔ سورہ حشر آیت نمبر ۱۰

اس کے بعد حضرت معاویہؓ کے خلاف تیار کئے گئے چند مطاعن کا حال اور ان کے جوابات پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل علم کو مزید توفیق بخشے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنے علم و تحقیق سے کام لیں اور اس خدمت کو آگے بڑھائیں۔

## چند مطاعن اور ان کے جوابات

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات اور مطاعن کی ایک لمبی فہرست تیار کی گئی ہے جن کو دشمنانِ صحابہ بغضِ معاویہؓ کو کارِ خیر سمجھنے والے ہمدردانِ ملت بھی خوب چٹخارے لے کر بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دلچسپی کا سارا سامان یا تو سیاسی مخالفت کی دین ہے یا تعصب و عناد کی مہربانی، جس کو تاریخ کے ڈھیر سے اُٹھا کر رطب و یابس، صحیح و سقیم، افسانہ اور حقیقت کا امتیاز کئے بغیر پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اکابرامت اور محسنین اسلام کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے ان سارے الزامات اور مطاعن کی حقیقت کھول کر رکھ دی اور مسلمانوں کو ایک بڑے فتنہ سے بچالیا۔ ان میں

سے چند مشہور اعتراضات اوران کے جوابات ہم یہاں ذکر کررہے ہیں۔

## یزید کو خلیفہ بنانا

بڑا مشہور اعتراض حضرت معاویہؓ پر یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سنتِ رسولؐ اور خلفائے راشدینؓ کے طریقہ سے ہٹ کر اسلام میں قیصر وکسریٰ کے طریقہ کی بنیاد ڈال دی۔ یعنی اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنایا جو ذاتی مفاد کے لئے تھا اوراس کے لئے لوگوں کو دھمکایا گیا لالچ اوررشوتیں تک دی گئیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ چیز معلوم کرنی چاہئے کہ شرعی طور پر بیٹے کو والد کی جگہ والی اور حاکم بنانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق بات بالکل واضح ہے کہ قرآن اور حدیث کے اعتبار سے یہ صورت بالکل جائز ہے، منع نہیں ہے۔ روافض بھی اس مسئلہ پر اپنی کتابوں سے کوئی سند نہیں پیش کرسکے کہ بیٹے کو جانشین بنانا ناجائز ٹھہرے۔ اگر یہ غلط اورناجائز ہوتا تو سیدنا حضرت حسنؓ کو اس دور کے اکابر نے حضرت علیؓ کی جگہ کیسے خلیفہ چن لیا۔ ان کو یہ خیال نہ آیا کہ یہ طریقہ قیصر وکسریٰ کا ہے اوراس طرح امت ایک غلط راہ پر چل پڑے گی۔ صحیح روایات بتاتی ہیں کہ حضرت علیؓ کی تدفین کے بعد خود حضرت حسنؓ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی اور لوگوں نے بیعت کرلی۔ طبقات ابن سعد میں ہے:

ثم انصرف حسن بن علی من دفنه فدعا الناس الیٰ بیعته فبایعوه۔ [1]

معلوم ہوا کہ والد کی جگہ بیٹے کو حاکم اوروالی بنانا بالکل درست ہے۔ قابلِ اعتراض بات نہیں، نہ ہی قیصر وکسریٰ کی پیروی ہے۔ پھر جو لوگ دن رات وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ داؤد [باپ] کے وارث سلیمان [بیٹے] بنے۔ پڑھتے ہوں وہ ایسا نظریہ کیسے قائم کرسکتے ہیں؟

---

[1] طبقات ابن سعد ج:۳ ص ۳۵

اب بات رہ جاتی ہے اہلیت کی، جس کا لحاظ انتخابِ حاکم کے وقت رکھا جاتا ہے۔
علامہ ماوردی اور قاضی ابویعلیٰ محمد بن حسین الفراء نے لکھا ہے:

''اگر منصب یافتہ شخص صفاتِ امامت کا حامل ہو تو عہدہ دینا جائز ہے اگر چہ وہ باپ ہو یا بیٹا ہو۔ کیونکہ کسی کو صرف عہدہ عطا کر دینے سے وہ عہدیدار نہیں ہو جاتا بلکہ وہ شخص اسی وقت عہدیدار کہلانے کا مستحق ہے جب مسلمان اس کو اس عہدے کے لئے قبول کر لیں اسی صورت میں عہدہ دینے کی تہمت سے بچا جا سکتا ہے۔'' [1]

یعنی منصب کیلئے اہلیت وصلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے۔ یزید کے انتخاب کے سلسلے میں اس شرط کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ آئندہ سطور سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔

یزید کے خلیفہ بنائے جانے کے مسئلہ میں صحابہؓ کی رائے مختلف تھی، بعض صحابہؓ کے نزدیک یہ طریقہ درست نہیں تھا انہوں نے اختلاف کیا، اس کے برخلاف دیگر صحابہؓ اور اکابر امت کی رائے یہ تھی کہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر یہ انتخاب درست ہے۔ حضرت معاویہؓ کی رائے بھی یہی تھی کہ اگر چہ یزید سے افضل حضرات موجود ہیں لیکن موجودہ حالات میں افضل سے کمتر کا انتخاب درست ہے۔ انہوں نے قیصر و کسریٰ کی اتباع میں نہیں بلکہ وقت کی سیاسی اور ملکی ضرورت کے تحت ایسا کیا تھا اور یہ ان کا اجتہاد فکر تھا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

کان رای معاویۃفی الخلافۃ تقدیم المفضول فی القوۃ والرائی والمعرفۃ علی الفاضل فی السبق الی الاسلام والدین والعبادۃ فلھٰذااطلق انہ حق۔ [2]

یعنی حضرت معاویہؓ یہ رائے رکھتے تھے کہ اگر فاضل و اعلیٰ افراد جو دینِ اسلام اور عبادت میں سبقت رکھنے والے ہیں وہ موجود ہوں تو ان کو چھوڑ کر ایک مفضول

---
[1] الاحکام السلطانیۃ ص ۹۰ طبع مصر [2] فتح الباری شرح بخاری ج: ۷ ص ۳۲۴

اور کم درجہ کے فرد کو جورائے اور معرفت (یعنی ملک چلانے اور تدبیر سلطنت) میں قوی ہو، مقدم کر دیا جائے تو درست ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے ایک اختلافی نوٹ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے اقدام کو درست قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہم کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو اس سلسلہ میں شوریٰ قائم کرنا افضل تھا اور قرابتداروں میں سے اگر چہ بیٹا ہو اس کو خاص نہیں کرنا چاہئے، انھوں نے افضل اور بہتر چیز کو اس معاملے میں ترک کر دیا لیکن شرعاً یہ بیعت ہوگئی۔'' [1]

ابن العربی کا اختلاف سر آنکھوں پر لیکن اس معاملہ میں حضرت معاویہؓ کے سامنے ایک مجبوری بھی تھی، آپ کے حلقۂ سیاست کے لوگ جو سالہا سال سے آپ کے وفادار چلے آرہے تھے اور بڑی حوصلہ شکن جنگوں میں وہ آپ کے فداکار ساتھی رہے تھے اس لئے ان کو چھوڑ دینا حضرت معاویہؓ کے بس میں نہیں تھا کیونکہ شام کے لوگ اموی شخص کے بغیر کسی اور کی ولی عہدی پر ہرگز راضی نہ ہونے والے تھے۔ اس لئے حضرت معاویہؓ کو اندیشہ تھا کہ اگر ان کی رائے کے خلاف کیا گیا تو اسلامی جمعیت پھر کہیں منتشر نہ ہو جائے اور دو تین سلطنتیں قائم نہ ہو جائیں۔ آپ نے ان کی رائے کا احترام کیا (جس میں شرعی طور پر کسی حرام کا ارتکاب بھی نہ تھا) اور انتظام حکومت میں وہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی سلطنت کا شیرازہ نہ بکھرے۔ اس کے برخلاف عراق کے لوگ جو حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کے ساتھ تھے ان کی غیر مستقل مزاجی سے حضرت معاویہؓ خوب واقف تھے اس لئے انھوں نے اپنی سیاسی بصیرت اور تدبر سے یہی مناسب سمجھا کہ ان کا جانشین شام والوں میں سے ہو اور یہ کہ وہ اموی ہو۔ ان کے مشیروں کی رائے میں بھی کوئی اور امیدوار یزید کے علاوہ ان شرطوں پر پورا نہ اترتا تھا۔

[1] العواصم عن القواصم ابن العربی ص ۲۲۸

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

وعدل عن الفاضل الی المفضول حرصا علی الاتفاق واجتماع الاهواء الذی شانه أهمُّ عند الشارع وان کان لایظن بمعاویة غیر هذا۔ فعدالته وصحبته مانعة من سوی ذلک۔ [1]

یعنی حضرت معاویہؓ نے فاضل کو چھوڑ کر مفضول کو حاکم بنادیا وہ قوم کے اتفاق اور اجتماع کی رعایت اور لوگوں کی خواہشات کا لحاظ کئے ہوئے تھے اور ہم حضرت معاویہؓ سے اس معاملہ میں اچھا گمان رکھتے ہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی دوسری بات ان کی عدالت اور شانِ صحابیت کے خلاف ہے۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہؓ نے کسی دوسرے شخص کو منصب خلافت نہیں دیا بلکہ اپنے فرزند یزید کو دیا۔ یہ اسلئے تھا کہ اس وقت کے لوگوں کے اتحاد کو قائم رکھنے کی مصلحت سامنے تھی اور بنوامیہ کے اہلِ حل وعقد کے اتفاق کی رعایت ملحوظ خاطر تھی۔ اس دور میں بنوامیہ قریش کی بڑی جماعت تھی اور ان کو غلبہ تھا، وہ کسی دوسرے شخص پر رضامند ہونے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ ان حالات کے پیش نظر یزید کو منتخب کیا اور اس منصب کے لئے بہتر سمجھا۔ [2]

علامہ ابن خلدون اس کے آگے لکھتے ہیں:

"مطلب یہ ہے کہ اپنے فرزند کو حضرت معاویہؓ نے جو منصب سپرد کیا تھا وہ مسلمانوں میں انتشار و افتراق سے بچانے کی بناء پر تھا کیونکہ بنوامیہ امر خلافت کو اپنے سوا کسی دوسرے کے سپرد کردینے پر آمادہ نہیں تھے۔ اگر یہ معاملہ ان کے سوا کسی اور کو سپرد کردیا جاتا تو یہ لوگ حضرت معاویہؓ سے اختلاف کر بیٹھتے۔ نیز یہ بات بھی

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۰ فصل فی ولایۃ العہد طبع مصر۔
[2] مقدمہ ابن خلدون فی ولایۃ العہد ص ۲۱۱

ہے کہ یزید کے متعلق ان کو بہتر گمان تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا یہ گمان فی نفسہٖ درست تھا (کیونکہ بظاہر کوئی چیز اس کے خلاف نہیں پائی جاتی تھی) یزید میں فسق و فجور ظاہر طور پر اور علم کھلا پایا جائے اور پھر بھی حضرت معاویہؓ یہ ذمہ داری اس کے سپرد کر دیں حاشا وکلا حضرت معاویہؓ سے یہ چیز بعید ہے۔ [1]

اقوالِ رسولؐ اور اکابر امت کے اصول کے مطابق ہم حضرت معاویہؓ کی وکالت کے مکلف ہیں یزید بن معاویہ کی صفائی ہمارے ذمہ قطعاً نہیں ہے تاہم یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس وقت علامہ ابن خلدونؒ کے مطابق اگر یزید کے اندر وہ ساری برائیاں کھلم کھلا اور ظاہری طور پر پائی جاری ہوتیں جن کا پروپیگنڈہ اب صرف تاریخی ملغوبے کے حوالہ سے کیا جا رہا ہے تو حضرت معاویہؓ ہرگز ہرگز اس کو خلافت حوالہ نہ فرماتے۔ امکان سے تو انکار نہیں لیکن علانیہ طور پر یہ عیب اور خرابیاں یزید میں نہیں تھیں اور حضرت معاویہؓ ان سے واقف نہیں تھے۔ اگر قرائن پر نظر ڈالی جائے تو ابن خلدون کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور ہمارے بعد کے اکابر کا بھی یہی رجحان ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں سنہ ۴۹ھ میں بلادِ روم کے غزوات اور غزوۂ قسطنطنیہ پیش آیا اس کا امیر لشکر یزید تھا اور اکابر صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابوایوب انصاریؓ وغیرہم اور ابن کثیر (ج: ۸ص ۱۵۱) کے مطابق حضرت حسین بن علیؓ یزید کے زیر کمان اس اسلامی جہاد میں شریک تھے۔ یہیں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا انتقال ہوا تو نمازِ جنازہ بھی یزید نے پڑھائی۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اس دور میں یزید کی یہ خرابیاں ظاہر نہیں تھیں اور اس کا کردار درست تھا، اکابر صحابہؓ اس کے ساتھ جہاد جیسے اہم اسلامی امور کو انجام دیتے تھے۔ اگر اس کا کردار خراب تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان صحابہ کرامؓ نے اسکے ساتھ یہ تعاون کیسے روا رکھا؟

---

[1] مقدمہ ابن خلدون تحت انقلاب الخلافۃ الی الملک۔ ص ۲۶۵

کیا آیات اور احادیث ان کے پیش نظر نہیں تھیں؟

و تعاونوا علی البر و التقویٰ و لا تعاونوا علی الاثم و العدوان (سورہ مائدہ:۲)

تم نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

و لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ (سورہ ہود:۱۱۳)

اور ان کی طرف نہ جھکو جنھوں نے ظلم کیا، ورنہ تم کو آگ پکڑ لے گی۔

اس پر ایک اور واضح قرینہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ کے ساتھ جب اس دور کے لوگوں نے یزید کے متعلق بات چیت کی تو ان لوگوں نے یزید کے عیب بیان کئے ان کا جواب محمد بن حنفیہؒ نے دیا۔

مارأیت منه ماتذکرون وقد حضرته واقمت عنده فرأیته مواظبا علی الصلوٰة متحریا للخیر یسأل عن الفقه ملازما للسنة قالوا فان ذلك کان منه تصنعا لك فقال ماالذی خاف منی او رجاء حتیٰ یظهر الی الخشوع۔ ؎

یعنی عیب کی جو چیزیں تم ذکر کر رہے ہو وہ میں نے اس میں نہیں دیکھیں، میں اس کے پاس رہا ہوں، میں نے اسکو نماز کا پابند، امرِ خیر کا تلاش کرنے والا، دینی مسائل کو دریافت کرنے والا اور سنت کی پابندی کرنے والا پایا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں اس نے تصنع اور آپ کو دکھانے کے لئے کی ہیں۔ محمد بن حنفیہؒ نے فرمایا: اس کو مجھ سے کیا خوف اور امید تھی جس کی وجہ سے اس نے ایسا کیا ہو؟

حضرت الامام مولانا محمد قاسم النانوتویؒ نے لکھا ہے:

''حضرت معاویہؓ نے یزید کو جب اپنا ولی عہد بنایا تو اس وقت وہ علی الاعلان فاسق

؎ البدایہ ج:۸ ص ۲۳۳

نہیں تھا اگر اس میں کوئی خامی اور تقصیر تھی تو وہ در پردہ تھی، حضرت معاویہؓ کو اس کی خبر نہیں تھی۔ اس کے علاوہ جہاد میں اس کی صلاحیت اور حسن تدبیر مشہور ہے۔ [1]

اس لئے حضرت معاویہؓ نے یزید کی اس صلاحیت کی بنا پر اسکو اپنا ولی عہد منتخب کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ نیز یہ بات بھی مسلم ہے کہ شیرازۂ امت کو بکھرنے سے بچانے کے لئے اس وقت موجود زیادہ تر صحابہ کرامؓ نے یزید کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ یہ بیعت اس لئے نہیں تھی کہ وہ یزید کو ہر طرح سے خلافت کا حقدار سمجھتے تھے بلکہ اس لئے تھی کہ امت میں خوں ریزی نہ ہو اور امام بخاریؒ کے مطابق بایعنا ھذا الرجل علی بیعة اللہ ورسولہ یعنی یہ بیعت اس شرط پر تھی کہ ان کی اللہ اور رسول سے بیعت برقرار رہے گی اور وہ حکومت کی کسی ایسی بات کو ہرگز نہیں مانیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہو۔

ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں یزید کے ظاہری اعمال اور عمومی حالات اس درجہ کے نہ تھے کہ اسکی مخالفت ضروری ہو اور اسلام کے خلاف اس کا کردار نہیں تھا۔ حضرت معاویہؓ نے جس دور میں اس کا انتخاب کیا تھا اس میں اہلیت سمجھ کر ہی ایسا کیا تھا، آئندہ کے لئے کسی کو کیا معلوم کہ کیا حالات پیش آئیں گے۔ والغیب عنداللہ۔ چنانچہ یزید کے سیاہ کارنامے واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور مکہ معظمہ پر چڑھائی وغیرہ جو کتابوں میں پائے جاتے ہیں اس کا ذمہ دار وہ خود ہے، حضرت معاویہؓ پر اس کی ذمہ داری ڈال کر ان کو مطعون کرنا اور ان کے حساب میں ان گناہوں کو لکھنا بڑی زیادتی ہوگی۔

حضرت الامام مولانا محمد قاسم النانوتویؒ فرماتے ہیں کہ:

''خلافت کے بارے میں حضرت معاویہؓ کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت

[1] تحقیق وانبات شہادت حسینؓ ص ۷۶

کا سلیقہ دوسروں کے اعتبار سے زیادہ ہو (اگر چہ دیگر امور میں اس سے افضل لوگ موجود ہوں) تو وہ دوسروں کی بہ نسبت خلافت کے لئے افضل ہے۔ اس بنا پر وہ (یزید کو) دوسروں سے افضل جانتے تھے اور اگر افضل نہ بھی جانتے ہوں تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ انہوں نے ترکِ افضل کیا تھا ترکِ واجب نہیں کیا۔ [1]

استخلافِ یزید کے الزام کو مزید سنگین بنانے کے لئے معاندین نے اور بھی کئی الزام حضرت معاویہؓ پر لگائے ہیں جیسے لوگوں کو لالچ دینا، مکر و فریب اور حیلہ سازی اور قتل کی دھمکی وغیرہ۔ جن کی منشاء صرف بغضِ معاویہؓ اور صحابہ کرامؓ سے بدظنی پیدا کرنے کی ایک تدبیر ہے جس کے لئے غیر مستند و نا قابلِ بھروسہ تاریخی روایات کا سہارا لیا گیا ہے۔ اس لئے ایسی واہی روایات کے پیشِ نظر صحابہ کرامؓ کی دیانت اور دینی وقار و معتبریت کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

اس ضمن میں حضرت معاویہؓ پر خود غرضی اور مفاد پرستی کا بھی الزام بڑے طمطراق سے لگایا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ اس معاملہ میں مخلص نہیں تھے اور اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کی انہوں نے یہ تدبیر کی تھی لیکن یہ چیز بھی واقعات کے خلاف ہے۔ خود حضرت معاویہؓ کے بیانات اس کے خلاف ہیں۔ حافظ ذہبیؒ اور علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت معاویہؓ کا ایک خطبہ ذکر کیا ہے جس سے اس الزام کی تردید ہو جاتی ہے:

''حضرت معاویہؓ نے دعا کرتے ہوئے خطبہ میں ارشاد فرمایا' اے اللہ! میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنایا ہے، اس کے متعلق مجھے جو امید ہے اس تک اسے پہونچادے اور اس کی اعانت فرما، اور اگر میں نے محبت پدری کی بنا پر ولی عہد بنایا ہے اور وہ اس کا اہل نہیں ہے تو اس مقصد تک پہونچنے سے پہلے اس کی روح قبض فرمالے'' (اور ولی عہدی کو پورا نہ فرما)

---

[1] مکتوبات قاسمی مع ترجمہ اردو۔ ص ۳۹۔۳۸

معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کا یزید کو خلیفہ بنانا کسی ذاتی مفاد اور خود غرضی کی بناپر نہیں تھا بلکہ وہ اپنی رائے میں دیانت دار تھے اسی لئے وہ مجمع عام میں ایسی دعا فرمارہے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں حضرت معاویہؓ پر الزام لگانا بدظنی ہے۔ جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الله الله فی اصحابی کہہ کر منع فرمایا ہے۔

## الفئة الباغية (باغی جماعت)

سیدنا حضرت معاویہؓ پر ایک طعن یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "ویح یا عمار تقتلك الفئة الباغية" (اے عمار! تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا) جنگِ صفین میں حضرت عمارؓ سیدنا علی مرتضیٰؓ کے ساتھ تھے اور امیر معاویہؓ ان کے خلاف تھے، حضرت عمارؓ اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ لہٰذا حضرت معاویہ باغی ہیں۔

طعن کرنے والوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس میں کچھ اور اضافے کردیئے اور طعن کو مزید سنگین بنانے کی کوشش کی۔ مثلاً ایک ٹکڑا یہ جوڑا گیا کہ "یدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار" (یعنی حضرت عمارؓ ان کو جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ ان کو دوزخ کی دعوت دے رہے ہوں گے۔)

دوسرا ٹکڑا یہ ملایا کہ: "لا انالهم الله شفاعتي يوم القيامة"۔ (یعنی ان کو قیامت کے دن میری شفاعت نہیں ملے گی)

اس طرح حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت پر باغی ہونے کے طعن والزام کے ساتھ ان کے جہنمی ہونے اور شفاعت سے محروم ہونے کا دعویٰ کردیا گیا۔

اس سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ حدیث "تقتلك الفئة الباغية" بالکل صحیح روایت ہے اور بخاری میں موجود ہے جس کی رو سے حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کا باغی

ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بغاوت کے معاملہ میں اہلِ سنت و جماعت کا موقف پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت معاویہؓ سیدنا علی مرتضیٰؓ کے خلاف خروج کی وجہ سے اولاً باغی تھے، پھر سنہ ۴۰ھ میں دونوں حضرات کے درمیان مصالحت ہوگئی اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد سنہ ۴۱ھ میں حضرت حسنؓ سے صلح اور بیعت کے بعد حضرت معاویہؓ تمام اہل اسلام کے متفقہ خلیفہ تجویز ہوئے اور امیر المومنین ٹھہرے۔ اس ابتدائی دور کے بعد حضرت معاویہؓ نہ باغی تھے نہ طاغی تھے، نہ فاسق، نہ جائر اور نہ ظالم۔

حضرت عمارؓ کے سلسلے میں امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر میں ایک روایت اور ذکر کی ہے اس کو بھی پڑھ لیں فائدہ سے خالی نہیں۔

"قال سعيد بن عامر القرظي قال حدثني ام عمار (حاضنة لعمار) قالت اشتكىٰ عمار قال لاموت في مرضي حدثني حبيبي رسول الله ﷺ اني لاموت الاقتيلا بين فئتين مومنين۔"[1]

یعنی حضرت عمار بن یاسرؓ کی نگہداشت کرنے والی خاتون کہتی ہیں کہ ایک بار عمار بیمار ہو گئے (ہم لوگ ان کی بیماری کی وجہ سے پریشان تھے) تو عمارؓ کہنے لگے (پریشان نہ ہوں) اس بیماری میں میری موت نہیں آئے گی۔ وجہ یہ ہے کہ میرے حق میں میرے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ میں ایمانداروں کی دو جماعتوں کے درمیان مقتول ہوں گا۔"

اس روایت نے بھی یہ معاملہ بالکل واضح کر دیا کہ حضرت معاویہؓ اپنی جماعت سمیت دوسری مخالف جماعت ہی کی طرح مومن ہیں۔ بغاوت کے سلسلے میں "کیا حضرت معاویہؓ باغی تھے؟" کے تحت گفتگو کی جا چکی ہے، ملاحظہ فرمالیں۔

اس روایت کا دوسرا ٹکڑا "يدعوهم الى الجنة ويدعونه النار" راوی حدیث حضرت عکرمہ کا ادراج (ملایا ہوا ٹکڑا) ہے جس کا تعلق دوسرے موقع سے ہے لیکن اس کو

---

[1] تاریخ صغیر امام بخاری ص ۴۲

یہاں جوڑ دیا گیا ہے۔ اس کا سب سے واضح قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے والے دوسرے راوی ان کلمات کو ذکر نہیں کرتے، صرف حضرت عکرمہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ نیز حضرت عکرمہ نظریاتی اور فکری طور پر حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کے مخالف تھے، اس لئے اس کو افتراء تو نہیں کہیں گے مگر ادراج ہے جو یہاں اس روایت میں جوڑ دیا گیا۔

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور ان کی لیاقت علمی اور بھروسہ مند ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اس کے باوجود علماء نے ان کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی ذکر کی ہیں جس سے یہ امکان قوی ہو جاتا ہے مثلاً:

حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں:

یابرد لاتکذب علیّ کمایکذب عکرمة علیٰ ابن عباسؓ۔ [1]

اے بردمیرے اوپر جھوٹ نہ لگاؤ جیسے عکرمہ ابن عباسؓ پر جھوٹ لگاتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

ویحک یانافع ولاتکذب علی کمایکذب عکرمة علی ابن عباس [2]

اے نافع! میرے اوپر جھوٹ نہ لگاؤ جیسے عکرمہ ابن عباسؓ پر جھوٹ لگاتے ہیں۔

"ویح یاعمار تقتلك الفئة الباغیة" کے ساتھ جوڑا ہوا یہ جملہ یدعوھم الی الجنة و یدعونه الی النار حضرت عمارؓ کے ابتدائی اور آزمائشی دور کا ہے جب ان کو کئی زندگی میں اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا اس وقت حضورؐ نے حضرت عمارؓ کے متعلق یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔

علامہ ابن کثیر البدایہ میں لکھتے ہیں:

فان رسول اللہ صلی ﷺ قال لعبت قریش بعمار "مالھم ولعمار"

---

[1] کتاب المعرفة والتاریخ (بسری) ج:۲ ص۵ [2] تہذیب التہذیب ج:۷ ص۲۶۷

عمار يدعوهم الى الجنة ويدعونه النار۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جبکہ) قریش کے لوگ عمارؓ کے ساتھ کھیل بناتے تھے: عمار کے لئے اوران کے لئے کیا ہے؟ عماران کو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور یہ لوگ اسے دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔

عظیم المرتبت محدث حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

اقول قوله يدعوهم الى الجنة فاستبنا ف لحاله مع المشركين قريش العرب واشارة الى المصائب التى اتت عليه من جهة قريش وتعذيبهم والجائهم اياه على ان يكفر بربه فابى الا ان يقول الله احد۔۔۔فهذاحكاية للقضية الماضية ومنقطعة بماقبلهالااخبار عن حال قاتله۔ [1]

یعنی يدعوهم الى الجنة والاجملہ مستانفہ ہے (الگ جملہ ہے) اور مشرکین وقریش عرب کے حال کو بیان کرنے کے لئے ہے اور وہ مصائب جو قریش کی طرف سے سزا اور جبر کی صورت میں حضرت عمارؓ پر وارد کئے گئے تھے ان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عمارؓ کو اپنے رب کے ساتھ کفر پر مجبور کرتے تھے اور عمارؓ اس کا انکار کرتے ہوئے "اللہ احد" پکارتے تھے۔ لہٰذا یہ جملہ گذشتہ واقعہ کا بیان ہے اپنے ماقبل سے الگ ہے اور عمار کے قاتلین کے ساتھ اس جملہ کا کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح دوسرا ٹکڑا جو اس میں بڑھایا گیا وہ "لاانا الھا والله شفاعتى يوم القيامة" ہے۔ اس جملہ کے متعلق علماء کا فیصلہ ہے کہ یہ بے اصل ہے، موضوع اور جھوٹ ہے اور روافض کی کارروائی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

اقول قوله" لاانالهم الله شفاعتى "فكذب مزيد فى الحديث لم يروه

[1] فیض الباری ج:۲ ص۵۲ (طبع مجلس علمی ڈابھیل)

احد من اهل العلم باسناد معروف ۔ [۱]

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وماازاد الروافض فی هذا الحدیث بعد قوله الباغیة "لاانالها والله شفاعتی یوم القیامة" فهو کذب وبهت علی رسول الله ﷺ فانه قد ثبت الاحادیث عنه صلوات الله وسلامه بتسمیة الفریقین مسلمین۔ [۲]

یعنی روایت مذکورہ میں جو اضافہ ہے وہ روافض کی کاروائی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب و بہتان ہے کیونکہ احادیث میں آپس میں قتال کرنے والے دونوں فریقوں کو رسول اللہ ﷺ نے ''مسلمان'' اور ''مومن'' فرمایا ہے۔

## ملوکیت کا الزام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت سفینہؓ کی روایت ہے کہ:

سمعت النبی ﷺ یقول الخلافة ثلاثون سنة ثم تکون ملکا ۔ [۳]

حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد بادشاہت قائم ہوگی۔

کچھ حضرات نے اس حدیث کی روشنی میں یہ شبہ پیش کیا کہ خلافت راشدہ کے بعد خلافت نہیں رہی اور اس نے ملوکیت کی صورت اختیار کرلی۔ یا یوں کہیں کہ خلفائے راشدینؓ کے بعد والے خلفاء نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کردیا۔ چنانچہ اس کا سب سے پہلا مجرم حضرت امیر معاویہؓ کو بنادیا۔ پھر اس کو مزید سنگین بنانے کے لئے کچھ اور اضافے بھی کردیئے گئے تاکہ جس طرح بھی بن پڑے حضرت معاویہؓ کو بدنام

---

[۱] منہاج السنہ [۲] البدایہ ج: ۷ص ۲۷۰ طبع اول مصر [۳] مشکوٰۃ۔ ص ۴۶۳

کرنے کی کوئی کسر نہ چھوٹ جائے۔ چنانچہ کہا گیا کہ خلافتِ راشدہ کے بعد ملکِ عضوض (کاٹ کھانے والی حکومت، ظالم) ہوگی۔ اسی طرح ایک اور روایت پیش کی گئی کہ: قال سعید فقلت لہ ان بنی امیة یقولون ان الخلافة فیهم، قال کذبوا بنو الزرقاء هم شر الملوك [1]

یعنی سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفینہؓ سے کہا کہ یہ بنوامیہ کے لوگ سمجھے ہیں کہ خلافت ان میں ہے، تو انہوں نے کہا کہ زرقاء (قبیلہ بنوامیہ کی دادی تھیں) کی اولاد جھوٹ کہتی ہے بلکہ یہ لوگ شریر بادشاہ ہیں۔ اس طرح حضرت معاویہؓ کو ایک ظالم اور شریر بادشاہ کی شکل میں پیش کیا اور ان کے دَور کو بری بادشاہت اور قبیح ملوکیت کا نام دے دیا گیا۔

اس سلسلہ میں اختصار کے ساتھ چند باتیں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اگر ان پر غور کرلیا جائے گا تو انشاء اللہ یہ شبہات دور ہوجائیں گے، بدظنی کے مرض اور حسد کی بیماری سے شفا حاصل ہوجائے گی نیز حضرت معاویہؓ کی طرف سے کدورت ختم کرنے میں مدد ملے گی۔

سب سے پہلی بات جو حضرت معاویہؓ کی ملوکیت کے سلسلے میں کہی گئی کہ وہ ظالم اور کاٹ کھانے والی حکومت ہوگی۔ یا حضرت معاویہؓ ظالم بادشاہ ہوں گے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے دَورِ خلافت میں بادشاہ نہیں تھے۔ یقیناً حضرت علیؓ سے اختلاف ہوا لیکن وہ بادشاہت کے لئے نہیں تھا بلکہ ایک شرعی اور دینی مسئلہ میں تھا۔ سیدنا حضرت حسنؓ سے صلح کے بعد آپ کا دَورِ بادشاہت شروع ہوا۔ اب اگر یہ ملکِ عضوض اور ظالمانہ بادشاہت تھی تو اس دَور کے ظالمانہ کام آخر کون کون سے ہیں؟ کیا ساری فتوحات جو اسلامی فوجوں اور مسلمانوں کے ذریعہ آپؓ کی

---

[1] ترمذی شریف ص ۳۲۳

خلافت میں حاصل ہوئیں وہ سب ظالمانہ حکومت کے کام تھے۔ فتح قسطنطنیہ وغیرہ ظالمانہ کام تھے، پھر جنت کی بشارت کہاں گئی؟ بیت المال میں جو مال آتا تھا اور اس کو تمام مستحقین واہلِ بیت حضرات پر تقسیم کیا جاتا تھا اور فوجیوں کو اس میں حصہ ملا کرتا تھا، حصہ پانے والوں میں بہت سے صحابہ کرامؓ اور حضرات حسنین کریمینؓ بھی ہوتے تھے اور لاکھوں دینار سالانہ وظیفہ ان کو ملتا تھا اور حسبِ ضرورت طلب پر مزید عنایت کیا جاتا تھا۔ جب حکومت ظالم تھی تو اس کے ذریعہ بیت المال میں جمع شدہ مال حلال کب ہو گیا تھا جس کو یہ مقدس حضرات وصول کیا کرتے تھے؟

ذرا صحابہ کرامؓ اور تابعین کی شہادتیں بھی ملاحظہ فرما لیں اور حضرت معاویہؓ کے دور اور ان کے عدل وانصاف کا حال سن لیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ انصاف کرنے اور حق ادا کرنے میں امیر معاویہؓ کا بڑا مقام ہے۔ (تاریخ اسلام ذہبی ج:۲ص ۳۲۱) امام اعمشؒ تابعی فرماتے ہیں: عدل وانصاف میں حضرت معاویہؓ عمر بن عبدالعزیزؒ سے بڑھ کر تھے۔ (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۵، منتقیٰ ذہبی ص ۳۸۸)

اتنی وزنی اور معتبر شہادت کے بعد بھی تاریخی مواد سے حضرت معاویہؓ کو ظالم ثابت کرنا حیرت ناک ہے۔

یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ خلفائے راشدینؓ کے بعد بنوامیہ میں سے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حکومت ہوئی ہے کیا یہ بھی ظالمانہ اور عضوض حکومت تھی؟ کیا یہ ضروری ہے کہ ''ملکِ عضوض'' اور ''ظالم حکمراں'' کا مصداق صرف حضرت معاویہؓ کو بنایا جائے بنوامیہ، بنوعباس بنوفاطمہ میں کتنے ظالم حکمراں ہوئے ہیں وہ کیوں نہ اس کا مصداق قرار دیے جائیں۔

حضرت سفینہؓ کی حدیث "الخلافة ثلاثون سنة ثم تكون ملكا ---- بالکل صحیح روایت ہے مگر سعید بن جمہان کی روایت میں "اشد الملوک" (سخت بادشاہ) اور "اول الملوک معاویہ" (پہلا بادشاہ معاویہؓ) اور "اشر الملوک" (سب سے شریر بادشاہ) کے الفاظ سعید بن جمہان کے درج کردہ اور ان کے داخل کئے ہوئے ہیں جس کو محدثین ادراج راوی کہتے ہیں اور بعض محدثین سعید بن جمہان کو اگر چہ ثقہ قرار دیتے ہیں لیکن ان کے متعلق نقد و جرح بھی کی گئی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: وفی حدیثه عجائب (خلاصۃ تہذیب الکمال خزرجی ص ۱۱۶) امام ذہبی فرماتے ہیں: شیخ لا یحتج به (المغنی فی الضعفاء ج: ۱ ص ۲۵۶) یحییٰ بن معین نے کہا: روی عن سفينة احاديث لا یرویها غیره (تہذیب التہذیب ج: ۴ ص ۱۴) یعنی سعید بن جمہان کی روایت میں عجوبے ہوتے ہیں، ان کی شخصیت قابلِ احتجاج نہیں، یہ حضرت سفینہؓ سے ایسی روایات لاتے ہیں جنہیں کسی دوسرے راوی نے ذکر نہیں کیا۔

لہٰذا ان امور کے پیش نظر سعید بن جمہان کی جانب سے اس روایت میں ان کے داخل کئے ہوئے کلمات کیسے قابلِ قبول ہو سکتے ہیں؟۔ اس لئے خلفائے راشدینؓ کے بعد حضرت معاویہؓ کے ذریعہ جو حکومت قائم ہوئی اس کو بری ملوکیت اور بدترین شہنشاہیت کے الفاظ سے ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس روایتِ سفینہؓ کے بالمقابل دوسری روایات میں دوسرے الفاظ بھی آئے ہیں: مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قال كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبی خلفه نبی وانه لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون۔ [1]

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بنی اسرائیل میں ان کے کاموں کے متولی

---

[1] متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۳۲۰

انبیاء ہوتے تھے جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کے بعد دوسرا نبی آتا اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا البتہ خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔ بعض روایات میں "کلھم من قریش" کے الفاظ بھی ہیں اور بعض روایات میں بارہ عدد کی بھی تعیین اور وضاحت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلافت صرف تیس سال نہیں ہوگی کیونکہ تیس سال کا عرصہ پانچ خلفاء (خلفاء اربعہؓ اور حضرت حسنؓ) پر پورا ہو گیا۔ اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ حدیث سفینہ میں خلافت سے مراد خلافتِ نبوت ہے اور محدثین اسی کو خلافتِ کاملہ کہتے ہیں اور یہ خلافتِ کاملہ پانچ خلفاء تک جاری رہی اور دوسری روایات میں جہاں بارہ خلفاء یا اس سے زیادہ کا ذکر ہے، اس سے مراد مطلق خلافت ہے جو خلافت کاملہ سے کم درجہ کی ہوگی اور جن روایات میں "ثم یصیر ملکا" کے الفاظ ہیں تو اس سے مراد بھی خلافت ہی ہے جو خلافتِ عامہ کے خلاف نہیں ہے۔ یقیناً حضرت معاویہؓ اپنے پہلے خلفاء سے کم درجہ کے ہیں لیکن یہ چیز کوئی ملامت اور نفرت کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کا مطالبہ کیا جانا اور بادشاہ بنایا جانا نعمت ہے، لائقِ ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں پر احسان اور نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا" اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمھارے لئے بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ وقتل داؤد جالوت واتہ اللہ الملک۔ یعنی جالوت کو داؤد نے قتل کر دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مَلِک اور بادشاہ ہونا بری چیز نہیں بلکہ اچھی چیز ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اس لئے حضرت معاویہؓ اگر بعض روایات کے اعتبار سے مَلِک (بادشاہ) ہیں اور ان کو ملوکیت حاصل ہے تو وہ قابلِ نفرت کیسے ہو گئے۔ "اشدُّ الملوك" اور "اشرّ الملوك" کے الفاظ ان کے حق

میں نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، نہ صحابہ کرامؓ سے بلکہ یہ بعض راویوں کا اضافہ ہے اور صحیح واقعات کے خلاف ہیں کیونکہ حضرت حسنؓ اور ان کی جماعت نے صلح کر کے جب حضرت معاویہؓ سے بیعتِ خلافت کر لی تو انہوں نے بُرے، شریر اور ظالم لوگوں کے ساتھ تو تعاون نہیں کیا تھا بلکہ اس منصب کے اہل شخص کو دینی ذمہ داریاں دی تھیں، اس کے بعد جب تک حضرت معاویہؓ زندہ رہے حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور تمام ہاشمی اکابر اور صحابہ کرامؓ نے ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحبؒ فرماتے ہیں:

''معترضین حضرات نے خلافت راشدہ کے دَور کے بعد متصلاً ملوکیت اور بادشاہت کا جو نقشہ خاص تدبیر سے قائم کیا ہے یہ ان کی کارکردگی، تاریخی واقعات کے خلاف ہے اور اسلامی روایات کے ساتھ اس چیز کی موافقت نہیں پائی جاتی۔ [1]

حضرت معاویہؓ پر ایک طعن یہ بھی بڑے زور و شور سے کیا گیا ہے کہ ''وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر جمعوں میں بر سرِ منبر حضرت علیؓ اور ان کی اولاد پر سب وشتم کی بوچھار کیا کرتے تھے''۔ اس الزام میں بھی خوب مسالے ملائے گئے ہیں۔ اس الزام کے لئے کئی روایات پیش کی جاتی ہیں۔ اختصار کے ساتھ ہم ان روایات کو پیش کر کے ان کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ اس سلسلہ میں ایک روایت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت معاویہؓ کی ملاقات کی بیان کی جاتی ہے جس میں ہے کہ:

[1] سیرت حضرت معاویہؓ ج ۲ ص ۵۴۵

فقال مامنعك ان تسب اباتراب الخ۔۔۔ ۱

حضرت معاویہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ کو ''سب'' کرنے سے تم کو کیا چیز رکاوٹ ہے۔اس سے یہ ثابت کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ''سب'' کرنے یعنی گالی دینے کا حکم دے رہے ہیں یہ روایت بالکل صحیح ہے لیکن اس میں گالی دینے کا حکم دور دور تک نہیں ہے۔شارحِ مسلم امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں مذکورہ شبہ کو بالکل ختم کر دیا ہے۔فرماتے ہیں:

"قال العلماء الاحاديث الواردة التی فی ظاهرها دخل علیٰ صحابی يجب تاويلها قالوا لايقع فی روايات الثقات الامايمكن تاويله فقول معاوية هذاليس فيه تصريح بانه امر سعدا بسبه انما سأله عن السبب المانع له من السب كانه يقول هل امتنعت منه تورعا اوخوفا اوغير ذلك فان كان تورعاً واجلالاله عن السب فانت مصيب محسن وان كان غير ذلك فله جواب آخر۔ ۲

یعنی علماء کا قول ہے کہ جن احادیث کے ظاہر سے کسی صحابی پر الزام آتا ہو اس کی تاویل کرنا ضروری ہے۔نیز فرماتے ہیں کہ ثقات کی مرویات میں بھی تاویل ہو سکتی ہے لہٰذا حضرت معاویہؓ کے اس قول میں حضرت علیؓ کو ''سب'' کرنے کی تصریح نہیں ہے بلکہ اس میں ''سب'' نہ کرنے کا سبب دریافت کیا گیا ہے یعنی حضرت معاویہؓ حضرت سعدؓ سے پوچھ رہے ہیں کہ آپ اس بات سے پرہیزگاری یا خوف کی وجہ سے اجتناب کر رہے ہیں یا کوئی اور چیز آپ کے پیشِ نظر ہے اگر پرہیزگاری اور ان کی تعظیم کی وجہ سے اجتناب کر رہے ہیں تو آپ بالکل درست کر رہے ہیں، یہ نیک کام ہے اور اگر کوئی اور بات ہے تو اس کا جواب دوسرا ہوگا۔''

---

۱ مسلم شریف ج:۲ ص ۲۷۸ ۲ مسلم شریف ص ۲۷۸

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی یہ بات چیت حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان اختلافات میں غیر جانبدار تھے جو ان حضرات کے درمیان پائے جاتے تھے، دوران گفتگو حضرت معاویہؓ نے حضرت سعدؓ کے سامنے اپنا موقف رکھا اور حضرت علیؓ کے متعلق ناقدانہ کلام کیا اور ان کے خلاف رائے کا تقاضا کیا چونکہ حضرت سعدؓ کی رائے حضرت معاویہؓ کے خلاف تھی اس لئے انہوں نے حضرت معاویہؓ کی ہم نوائی نہیں کی اور حضرت علیؓ کے فضائل ذکر کئے جو اسی روایت میں مذکور ہیں۔

اس تفصیل کے بعد اب اس روایت میں موجود "سب" کے معنی سمجھ لیجئے۔ امام ابو عبداللہ محمد بن خلفہ الاشتانی المالکی نے مسلم شریف کی شرح "اکمال اکمال المعلم" میں اسی حدیث کے تحت لفظ "سب" کے معنی نظریہ اور رائے بدلنے کے کئے ہیں اور اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ان یحمل السب علی التغیرفی المذھب والرائی فیکون المعنی ما منعک من ان تبین للناس خطاہ وان مانحن علیه اسد واصوب ومثل ھذا یسمیٰ سبافی العرف۔

یعنی لفظ "سب" کو نظریہ اور رائے بدلنے کے معنی پر محمول کیا جائے تو مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ تمہارے لئے اس میں کیا رکاوٹ ہے کہ لوگوں سے حضرت علیؓ کے نظریہ کی غلطی بیان کرو اور ہمارے نظریہ اور رائے کی تائید و تصویب کرو۔ اس کو بھی عرف میں "سب" کہا جاتا ہے۔

امام نوویؒ نے بھی اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے بالکل یہی معنی بیان کئے ہیں:

واجتهادنا وانه اخطأ۔ [1]

سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کو حضرت معاویہؓ کی طرف سے گالی دینے کے سلسلہ میں یہ روایت صحیح ہے لیکن اس کا مطلب اور گالی کے معنی قارئین کے سامنے ہیں۔ کیا حضرت معاویہؓ پر جو الزام ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے وہ اس سے ثابت ہورہا ہے۔ اہلِ انصاف فیصلہ کرلیں۔

اس روایت کے بعد دوسری روایات کا بھی جائزہ لے لیجئے۔

۲۔ طبقات ابن سعد میں ایک روایت ہے کہ:

عمر بن عبدالعزیزؒ سے پہلے بنوامیہ کے حاکم حضرت علیؓ کو سب وشتم کرتے تھے جب عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس سے روک دیا۔ [2]

اس روایت میں یہ قول نہ تو کسی صحابی کا ہے نہ تابعی کا بلکہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ کا یہ قول ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ غیر معتبر ہیں، ضعیف ہیں اور جلے بھنے شیعہ راوی ہیں۔ [3]

۳۔ تاریخ طبری کی ایک روایت کو بھی اس اعتراض کا دارومدار بنایا گیا ہے اس روایت میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ:

"ایک خصلت کی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ علیؓ کی مذمت اور سب وشتم سے پرہیز نہ کرنا اور حضرت عثمانؓ پر رحمت بھیجنا اور ان کے لئے استغفار کرنا الخ۔

اس روایت کو بھی ابو مخنف لوط بن یحییٰ اور ہشام بن محمد کلبی نے روایت کیا ہے۔ لوط کا حال گزر چکا ذرا کلبی کے بارے میں ابن حجر اور امام ذہبی کا فیصلہ سن لیجئے:

متروک ہے، قصہ گو اخباری ہے، رافضی ہے، غیر معتبر اور ناقابلِ بھروسہ ہے۔ [4]

---

[1] نووی شرح مسلم ص ۲۷۸ [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۰ [3] دیکھئے امام نووی کی کتاب المغنی ج ۲ ص ۸۰۷ [4] میزان الاعتدال، ج ۳ ص ۲۵۶، لسان المیزان ج ۶ ص ۱۹۶

ابن اثیر جزری کی تاریخ کامل میں بھی یہی طبری والی روایت موجود ہے۔

۴۔ اسی طرح البدایہ والنہایہ میں بھی ایک روایت ہے جس پر اس الزام کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ روایت ملاحظہ ہو:

''جب مروان مدینہ پر امیر معاویہ کی طرف سے حاکم بنا تو ہر جمعہ میں منبر پر حضرت علیؓ کو سب وشتم کیا کرتا تھا۔ حضرت حسنؓ نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ: تیرے باپ الحکم پر اللہ نے اپنے نبی کی زبان پر لعنت کی ہے اور تو اس وقت اس کی پشت میں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ الحکم پر لعنت کرے اور جو اسکی اولاد ہو'' [۱]

اس روایت کا حال یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر نے اپنی عادت کے خلاف اس کا کوئی ماخذ نہیں بتایا ہے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ علامہ ابن کثیر آٹھویں صدی ہجری کے مؤرخ ہیں۔ علامہ نے اس کو کہاں سے نقل کیا ہے اس کا کوئی پتہ نہیں، تو اس کی جانچ کیسے ہوسکتی ہے۔ جس روایت سے صحابہ کرام کا کردار مجروح ہوتا ہو اور وہ بے سروپیر کی ہو یعنی اس کی کوئی سند نہ ہو تو وہ کیسے قبول کر لی جائے۔ علامہ ابن کثیر خود اس روایت کو ذکر کر کے ''واللہ اعلم'' کہتے ہیں۔

علامہ ابن حجر مکیؒ نے تطہیر الجنان میں اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وجوابه انه لم يصح عنه شيء من ذلك۔۔۔۔ان كل مافيه نحو ذلك في سنده علة۔ [۲]

(اس الزام کا) جواب یہ ہے کہ اول تو یہ باتیں مروان سے ثابت نہیں ہیں۔۔۔ اس قسم کی جس قدر روایتیں ہیں ان کی سند میں کوئی نہ کوئی علت (خرابی) ہے۔

علامہ ابن حجرؒ آگے لکھتے ہیں:

---

[۱] البدایہ ج ۸ ص ۲۵۹ [۲] تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان ص ۴۳

اسی وجہ سے بخاری نے مروان سے روایت کی ہے اور محدثین نے اس کے یہ معائب نہیں ذکر کئے ہیں۔ اگر یہ معائب صحیح ہوتے تو محدثین ان کو ضرور نقل کرتے۔

اس روایت کے ناقابلِ اعتبار ہونے کا ایک قرینہ خود روایت میں موجود ہے۔ روایت ظاہر کرتی ہے کہ حضرت حسنؓ نے بھی مروان اور اس کے باپ پر لعنت کی۔ یہ ٹکڑا حضرت حسنؓ کو لعن طعن کرنے والا ثابت کرتا ہے جو صحیح نہیں۔ اس لئے پہلا ٹکڑا بھی مشکوک ہو جاتا ہے۔

نیز عقل و درایت کی رو سے بھی یہ روایت صحیح نہیں ثابت ہوتی۔ اس لئے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے حکم سے مروان وغیرہ مسجدوں اور خطبوں میں برسرِ منبر سب کے سامنے حضرت علیؓ پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے تھے تو جماعتِ صحابہؓ اور بنو ہاشم کی دینی غیرت اور اسلامی حمیت پر بہت بڑا داغ لگتا ہے کہ ان میں سے کسی نے ایک لفظ بولنا گوارا نہ کیا اور برابر حضرت معاویہؓ کا تعاون کرتے رہے اور "لاتعاونوا علی الاثم والعدوان" کے حکمِ خداوندی کو ڈور کے مارے انہوں نے پامال کر دیا، سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا فریضہ یکسر بھول بیٹھے۔ اگر صحابہؓ بھی احکامِ قرآنی اور فرمانِ رسولؐ پر عمل پیرا نہیں تھے تو کون اس پر عمل کرنے آئے گا۔ اس لئے یہ گالی دینے والی روایات محض پروپیگنڈہ ہیں ورنہ بنی ہاشم اور خود حضراتِ حسنین کریمینؓ خدانخواستہ اتنے بے غیرت تو نہیں تھے کہ ان کے والد ماجد اور اکابر کو علی الاعلان برا بھلا کہا جائے اور یہ غیرت و حمیت کے پتلے ان کی طرف سے اعزاز، عہدے حاصل کرتے رہیں، ان کے ساتھ جہاد و غزوات میں شامل ہوں اور مالی عطایا، ہدیے اور وظیفے حاصل کرتے رہیں۔

اگر بات کو آگے بڑھایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب و شتم کا یہ معاملہ یکطرفہ نہیں تھا بلکہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے دور میں بھی آپؓ کے حامی لوگ اپنے مخالف فریق (حضرت عثمانؓ کے طرفداروں) کے خلاف بدگوئی کرتے تھے۔

ابو جعفر بغدادی لکھتے ہیں:

ولبني الارقم مسجد بالكوفة فلما قدم الكوفة علي جعل اصحابه يتناولون عثمان فقال بنو الارقم : لانقيم ببلد يشتم فيه عثمان فخرجوا الى الجزيرة فنزلوا الرهاء وشهدوا مع معاوية صفين[1]

یعنی کوفہ میں بنی ارقم قبیلہ کی ایک مسجد تھی جب حضرت علی مرتضیٰؓ کوفہ تشریف لائے تو آپؓ کے ہم نوا لوگ حضرت عثمانؓ کے بارے میں بدگوئی کرتے تھے، قبیلہ بنو ارقم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم ایسے شہر میں نہیں رہ سکتے جہاں حضرت عثمانؓ کو سب وشتم کیا جاتا ہو چنانچہ وہ لوگ کوفہ سے چلے گئے اور الجزیرہ کے ایک مقام ''الرہا'' میں مقیم ہو گئے۔ بعد میں وہ لوگ حضرت معاویہؓ کے ساتھ صفین میں شریک ہوئے۔

علامہ ابن کثیر نے البدایہ میں لکھا ہے:

''کوفہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت معاویہؓ کے گورنر تھے سنہ ۵۰ ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ زیادہ کو حضرت معاویہؓ نے کوفہ کا گورنر بنا دیا، حجر ابن عدی ان کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ زیاد کے آنے کے بعد حضرت علیؓ کی حامی جماعتیں حجر بن عدی کے پاس جمع ہونے لگیں يسبون معاوية ويتبرؤن منه۔'' [2]

یعنی وہ جماعتیں حضرت معاویہؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتیں اور ان سے بیزاری کا اعلان کرتیں۔

بہر حال یہ ایک نظریاتی اور فکری اختلاف تھا جو اس دور میں بعض دفعہ دونوں طرف سے ظاہر ہو جاتا تھا۔ اس لئے ان دو طرفہ روایات سے وہی مطلب مراد لیا جائے گا جس سے صحابہ کرام کا کردار بھی مجروح نہ ہو اور وہ روایات بھی اگر صحیح ہیں تو ان پر فرق نہیں پڑے گا اور تاویل ہو جائے گی۔ چنانچہ سابق میں گزر چکا ہے کہ ''سب''

[1] کتاب المحبر ص ۲۹۵ تحت عنوان من شهد صفين مع معاوية [2] البدایہ ج: ۸ ص ۵۰

سے مراد اختلاف رائے، دوسرے فریق کی رائے کو غلط قرار دینا اور ان کے طریق کار پر تنقید کرنا ہے نہ کہ مشہور معنی "گالی دینا"۔ اس لئے "سب وشتم" کے معنی صرف گالی گلوچ کے نہیں بلکہ یہ سخت کلامی، عیب چینی، عار دلانا، سخت سست کہنا، دوسرے کے عیب اور کمیوں کو بتانے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے، جیسے

غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی ﷺ نے دو آدمیوں سے کہا تھا کہ پانی کے چشمے پر جب تک میں نہ پہونچوں تم اس کو ہاتھ نہ لگانا، انہوں نے غلطی سے پانی کو ہاتھ لگا دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

هل مسستما من مائها شيئا فقالا نعم فسبهما رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال لهما ماشاء الله يقول ---- [۱]

یعنی کیا تم نے پانی کو ہاتھ لگایا؟ انہوں نے کہا ہاں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سخت سست کہا اور جو اللہ نے چاہا فرمایا۔

ترمذی شریف میں ہے کہ:

ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال يوم الخندق وجعل يسب كفار قريش الخ [۲]

یعنی خندق کے روز حضرت عمر بن خطابؓ کفار قریش کو سخت سست اور برا کہنے لگے۔

بخاری شریف میں ہے کہ: حضرت علیؓ اور ان کے چچا حضرت عباسؓ کے درمیان ایک معاملہ میں کہا سنی ہوگئی تو "استب علی و عباس" یعنی حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے ایک دوسرے کے ساتھ سخت کلامی کی۔ [۳]

ان تینوں مقامات پر "سب" کا لفظ آیا ہے۔ کیا اس کے معنی گالی دینے کے کئے جائیں گے۔ ذرا ان مقامات پر گالی دینے کے معنی کر کے دیکھئے، کیسا لگتا ہے۔

---

[۱] مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۶ ترمذی حدیث ۳۵۵ [۲] جامع ترمذی ج ۱ ص ۴۳ [۳] بخاری ج ۱ ص ۵۷۵

سب وشتم کے الزام کو روایتاً اور درایتاً قارئین نے ملاحظہ فرمالیا اب اندر کی شہادت بھی دیکھ لیں۔ پہلے گزر چکا ہے اس کو پھر اس موقع پر بھی ذہن نشین کرلیں شیعہ سنی اکابر مؤرخین نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ حضرات حسنین کریمین نے حضرت معاویہؓ کے پورے دور خلافت میں ان سے کوئی بری بات اور ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھی اور اکابر ہاشمی حضرات کیساتھ آپؓ کے بہترین اور خوشگوار تعلقات قائم تھے۔ چنانچہ شیعہ مؤرخ ابوحنیفہ دینوری نے اخبار الطوال میں لکھا ہے:

قالو ولم یر الحسن ولا الحسین طول حیاۃ معاویۃ منہ سوء فی انفسھما ولا مکروھا ولا قطع عنھما شیئا مما کان شرط لھما ولا تغیر عن برلے

یعنی حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے امیر معاویہؓ کی پوری زندگی میں کوئی بری اور ناگوار بات نہیں دیکھی، ان حضرات اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے کسی شرط کو امیر معاویہؓ نے ضائع نہیں کیا اور نہ کسی احسان اور بھلائی کو تبدیل کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ "حضرت معاویہؓ کم وبیش بیس سال ہم پر والی اور حاکم رہے، انہوں نے ہمیں کوئی تکلیف نہیں دی اور ہمارے لئے اذیت کا باعث نہیں بنے، نہ منبر پر نہ فرش زمین پر، انہوں نے اپنی اور ہماری عزت برقرار رکھی اور ہمارے ساتھ صلہ رحمی کا اچھا معاملہ کیا اور ہماری ضروریات پوری کرتے رہے۔ ۲

## حضرت حسنؓ کو زہر دینے کا الزام

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات زہر کھلانے سے ہوئی ہے اور یہ الزام حضرت معاویہؓ کے سرتھوپ دیا گیا ہے۔ بعض محدثین نے اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن تمام محدثین

---

۱ اخبار الطوال ص۲۲۵ طبع قاہرہ ۲ انساب الاشراف بلاذری ص۶۸

اور مؤرخین کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ مثلاً تاریخ طبری، تاریخ بغداد وغیرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور بعض حضرات جو زہر دینے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جیسے حاکم نے مستدرک میں اور ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے مگر زہر دینے والے کا نام ندارد ہے۔ نہ ان کی بیوی کا نام بتایا گیا ہے نہ کسی اور کا۔ کچھ مؤرخین نے آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کو ملزم بنایا ہے، اس کے ساتھ کسی اور کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ جیسے ابن اثیر جزری نے التاریخ الکامل میں لکھا ہے۔ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں تحریر کیا ہے کہ یہ کام امیر معاویہؓ کے اشارے پر ان کی بیوی جعدہ نے کیا تھا، بعض کہتے ہیں کہ یزید کے کہنے پر ایسا ہوا تھا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے البدایہ کی روایت پڑھ لیں: علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''جب حضرت حسنؓ کی حالت بگڑی تو آپؓ کے بھائی حضرت حسینؓ نے دریافت کیا کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ آپ کیوں دریافت کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ کے دفن سے پہلے ہی ہم اس سے بدلہ لیں گے۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا: اے بھائی! اس کو چھوڑو، اللہ تعالیٰ کے یہاں فیصلہ ہوگا۔ اور اس کا نام بتانے سے انکار کر دیا۔'' [1]

مطلب یہ ہوا کہ اگر زہر کھلانے کا واقعہ درست بھی ہے تو بھی واقعہ میں موجود حضرات اور چشم دید گواہوں کو زہر دلانے والے کا علم بالکل نہ ہو سکا۔ اسی لئے حضرت حسینؓ کسی پر یہ الزام قائم نہ کر سکے۔

اس قریبی زمانے کے گزر جانے کے بعد راویوں کو یہ سراغ کہاں سے لگا کہ زہر دلانے والے حضرت معاویہؓ ہیں؟ اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ سازش شام میں تیار کی گئی اور مدینہ لاکر اس پر عمل کیا گیا؟

[1] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۴۳

جن مؤرخین نے حضرت معاویہؓ کا اس معاملہ میں نام ذکر کیا ہے وہ بلا دلیل ہے صرف نقل در نقل اپنی کتابوں میں اس کو جاری رکھا ہے جبکہ حضرت معاویہؓ کا دامن اس الزام سے بالکل پاک ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ، ابن کثیرؒ، ابن خلدونؒ، حافظ ذہبیؒ وغیرہ نے اس کی تردید کردی ہے۔ تحقیق کیلئے دیکھیں منہاج السنہ ج:۲ص ۲۲۵، البدایہ ج:۸ص ۴۳۔ یہاں صرف ابن خلدون کا قول ملاحظہ فرمالیں۔

و ماینقل ان معاویة دس الیه السم مع زوجته جعده بن اشعث بن قیس فهو من احادیث الشیعة و حاشا معاویة من ذلک۔ [1]

یعنی یہ بات جو نقل کی جاتی ہے کہ امیر معاویہؓ نے سیدنا حضرت حسنؓ کے قتل کے لئے پوشیدہ طور پر جعدہ بنت اشعث کے واسطے سے زہر دلوایا تھا یہ شیعوں کی روایات ہیں، اللہ کی پناہ! حضرت معاویہؓ کا دامن اس داغ سے صاف ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سب اخباری شیعوں کے افسانے ہیں جو مدتِ دراز کے بعد تصنیف کئے گئے ہیں اور حضرت معاویہؓ کو ملزم بنادیا گیا ہے۔ اور اب ان شیعہ راویوں کے افسانوں کو علم وادب اور تحقیق بنایا جارہا ہے اور اس کے سہارے اپنے دلی عناد، قلبی حسد، نسبی تعصب کو تسکین دی جارہی ہے، اور ہوس جاہ ومال کی خاطر اس کو خوب اچھالا اور پھیلایا جارہا ہے۔ یالضیعة العلم و الادب

## حضرت معاویہؓ اور منبر نبویؐ

طعن کرنے والوں کا یہ طریقہ ہے کہ جہاں کہیں روایات میں بنوامیہ کی مذمت اور ان کے خلاف مواد مل جاتا ہے تو فوراً اس کا مصداق چند اموی صحابہ کرامؓ کو قرار دے کر ان کو مطعون کردیتے ہیں بھلے اس میں ان کا نام نہ ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ حضور

[1] تاریخ ابن خلدون ج:۲ص ۱۱۳۹

اکرم ﷺ کو خواب میں دکھایا گیا کہ آپ کے منبر پر بنوامیہ چڑھ رہے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ بنوامیہ آپ کے منبر پر یکے بعد دیگرے خطبہ دے رہے ہیں اور کچھ روایات میں ہے کہ بنوامیہ آنحضورؐ کے منبر پر چڑھتے اترتے ہیں جیسے بندر نیچے اوپر کودتا ہے تو آپ کو یہ منظر بہت گراں گزرا اور ناگوار ہوا۔ کچھ روایات میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کھل کر ہنسے نہیں وغیرہ۔ یعنی ان روایات کے اعتبار سے بنوامیہ کی خلافت وامارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انتہائی بری اور مکروہ تھی اور بنوامیہ کے تمام امراء حضور ﷺ کے نزدیک مبغوض اور خراب تھے، جنھوں نے حضورؐ کی زندگی کی ساری خوشیاں چھین لیں اور بالآخر اللہ کو آپ کی تسلی اور خوشی کے لئے دوسورتیں انا اعطینٰک الکوثر اور انا انزلناہ فی لیلۃ القدر نازل کرنا پڑیں۔

یہ ساری باتیں من گڑھت اور جعلی ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ روایت اور درایت دونوں اعتبار سے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

یہ بات یاد رکھیں کہ یہ روایات متعدد نہیں بلکہ ایک ہی خواب کا واقعہ ہے، جس کو راویوں نے الگ الگ اپنے انداز سے بیان کیا اور اس کی مختلف تعبیریں کر دی ہیں۔ روایت اور سند کے اعتبار سے اگر آپ دیکھیں گے تو اس کی ہر سند میں موجود راویوں پر کلام کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک سند میں ابوالخطاب جارودی ہے، جو شیعوں کے ایک فرقہ زیدیہ سے تعلق رکھتا ہے اس کے بارے میں ابن حبان کہتے ہیں'' یخطئی و یخالف'' (۱) اسی میں قاسم بن فضل حدانی ہے جو ضعیف اور منکر ہے (۲) اسی طرح موسیٰ بن اسمٰعیل رافضی بھی اس کی سند میں ہے (۳) بعض سندوں میں صاحب مغازی محمد بن اسحاق ہیں جو تدلیس میں مشہور ہیں، امام نووی نے ان کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ (۴)

(۱) میزان الاعتدال ابن حجر ج: ۳ ص ۱۲۴ (۲) تہذیب التہذیب ج۔۸ ص ۳۲۹
(۳) میزان الاعتدال ج: ۳ ص ۲۰۸ (۴) (نصب الرایہ ج۔۲ ص ۲۵۱)

سری بن اسمٰعیل بھی اس میں موجود ہیں جن کو ضعیف، متروک الحدیث کہا گیا ہے(۱) سفیان بن لیل اور علی بن زید بن جدعان بھی بعض سندوں میں ہیں جو رافضی ہیں (۲) علامہ ابن کثیر نے بھی تفسیر کبیر ج:۴ ص ۵۳۰ میں اور البدایہ ج:۶ ص ۲۴۴ میں اس روایت کو منکر کہا ہے، محدث ابن الجوزی نے العلل المتناہیہ ج:۱ ص ۲۹۴ میں اس روایت کی صحت کا انکار کیا ہے۔

غرضیکہ جو سندیں دستیاب ہوئیں ان کا حال آپ نے دیکھ لیا اس لئے ایسی روایات محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں خاص طور پر جب بعض راوی شیعہ ہوں جن کا مذہب ہی صحابہ کرامؓ کے خلاف روایات پھیلانا ہے تو ان کی روایات کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

یہ حال تو اس روایت کا سند کے اعتبار سے ہے اگر درایت، عقل اور واقعات کے اعتبار سے دیکھیں تو بھی یہ روایات کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتیں کیونکہ بنوامیہ کی نبی ﷺ کے منبر پر موجودگی اور امارت اگر آپ کو اتنی ہی ناگوار تھی جتنی آج کے دور میں منبروں پر کود کود کر بیٹھنے اور اترنے والے لوگ بیان کرتے ہیں تو:۔

۱۔ حضرت عثمان غنیؓ داماد رسول بھی بنوامیہ میں سے تھے آپؐ نے ان کو غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ غطفان کے موقع پر مدینہ میں اپنا نائب اور خلیفہ کیسے بنا دیا۔ کیا اس دوران وہ نبیؐ کے مصلے اور منبر پر نہیں گئے؟ [1]

۲۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد بغیر کسی اختلاف کے تمام صحابہ کرامؓ نے ان کو خلیفہ بنا کر نبی کے مصلے اور منبر پر نہیں بٹھایا؟ بنوامیہ کے منبر نبوی پر کودنے والی روایت ان حضرات کے سامنے نہیں تھی؟ کسی نے آخر کوئی اعتراض کیوں نہیں کیا۔؟

۳۔ مکہ فتح ہونے کے بعد یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے بنوامیہ کے مشہور صحابی

(۱) تہذیب التہذیب ج:۳ ص ۴۶۰ (۲) میزان الاعتدال ج:۳ ص ۱۲۷ [1] طبقات ابن سعد ج:۳ ص ۳۹

عتاب بن اسید کو حضورؐ نے مکہ کا والی اور حاکم کیسے مقرر فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ منبر اور مصلے کی ذمہ داریاں بھی وہی انجام دیتے تھے، اکابر صحابہؓ بنو ہاشم کے ہوں یا قریش کے دیگر قبائل سب اس پر راضی تھے کسی نے کوئی اعتراض کیوں نہیں کیا؟

۴۔ حضرت معاویہؓ کے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تیماء کے علاقہ پر امیر بنا کر بھیجا تھا اور امیر ہی کے ذمہ مصلے اور منبر کے فرائض بھی ہوتے تھے۔ اگر یہ قبیلہ اور اس کی امارت سے حضورﷺ کو کراہت ہوتی تھی تو اپنے ہاتھوں ہی آپؐ نے یہ کام کرنا کیسے گوارا فرمالیا؟

۵۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی بنو امیہ میں سے ہیں جن کو امت نے خلفائے راشدین میں شمار فرمایا ہے۔ مذکورہ روایت کے مطابق حضورؐ کی نظروں میں اتنی مکروہ و ناپسندیدہ امارت کا امیر اور خلیفہ، خلیفۂ راشد کیسے بنا دیا گیا؟

غرض کہ اصحابِ علم اگر سند کے اعتبار سے اس حدیث کو دیکھیں اور اصحابِ عقل وخرد اپنی عقل و فہم سے کام لیں تو اس روایت کا غلط ہونا واضح ہو جائے گا۔

اسی ضمن میں حضرت معاویہؓ کا نام لے کر بھی کچھ روایتیں تیار کر لی گئی ہیں اور ان کو حضرت معاویہؓ کے مطاعن وعیوب میں بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً

۱۔ اذارأيتموه على المنبر فاقتلوه

جب تم معاویہؓ کو منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر دو۔

۲۔ اذارأيتم معاوية بن ابى سفيان يخطب على منبره فاضربوا عنقه۔

یعنی جب تم معاویہؓ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھو تو اس کی گردن ماردو

۳۔ قال الحسن فما فعلوا فلا افلحوا۔

حسن بصریؒ نے کہا کہ صحابہؓ نے اس پر عمل نہیں کیا اور انہوں نے فلاح نہ پائی۔

غرض اس قسم کی روایات پیش کر کے حضرت معاویہؓ پر طعن کیا جاتا ہے اور ان کے

خلاف لوگوں میں نفرت کی فضا بنائی جاتی ہے۔ جبکہ یہ روایات بالکل جعلی اور بے اصل ہیں۔
چنانچہ آپ سند کے اعتبار سے غور فرمائیں تو امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

وهذا مدخول لهم لا يثبت وهذا واه۔ [1]

یعنی روایت میں یہ الفاظ زبردستی داخل کئے گئے ہیں اور درجۂ ثبوت کو نہیں پہونچتے۔ نیز فرمایا کہ یہ روایت بالکل بے اصل اور واہیات ہے۔ دوسری روایت میں عمرو بن عبید معتزلی ہے جو حضرت حسن بصریؒ پر جھوٹ بولتا تھا اور غلط باتیں ان کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ [2]

اسی روایت کی دوسری سند میں حکیم بن ظہیر زاری ہے جو روایت بنالیتا تھا اور غالی قسم کا رافضی ہے۔ [3]

اور روایت وعقل کے اعتبار سے دیکھیں تو بھی یہ روایت بے اصل اور واہیات معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت معاویہؓ کو خلافتِ فاروقی میں ان کے حکم سے شام کے علاقہ کا امیر بنایا گیا اور تقریباً دس سال تک دورِ فاروقی میں پھر حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں بارہ سال تک امیر شام رہے لیکن صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ایک فرد بھی رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کرنے کی جرأت نہ کر سکا، منبر پر دیکھتے رہے اور قتل نہ کر سکے۔ آخر صحابہ کرامؓ کی جرأت ایمانی اور تعمیل حکم نبوی کا جذبہ کہاں سو گیا تھا؟ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

ولو كان صحيحا لبادر الصحابة الى فعل ذلك لانهم كانوا لا ياخذهم في الله لومة لائم۔ [4]

یعنی اگر یہ فرمان نبوی صحیح ہوتا تو صحابہؓ اس پر فوراً عمل کرتے اس لئے کہ ان کو دین کے

---

[1] تاریخ صغیر ص ۶۸، ۶۹ طبع قدیم الٰہ آباد [2] تاریخ بغداد ج: ۱۲، ص ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، البدایہ ج: ۸، ص ۱۳۳

[3] تذکرۃ الموضوعات محمد طاہر مقدسی ص ۶ [4] البدایہ ج: ۸، ص ۱۳۳

معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کا اندیشہ اور خوف نہ ہوتا تھا۔

حضرت حسن بصریؒ کی طرف منسوب کر کے " فما فعلوا افلا افلحوا " کا جوڑ بھی بالکل جھوٹ ہے کیونکہ حضرت حسنؓ سے صلح کے بعد حضرت معاویہؓ کے ذورامارت میں صحابہ کرامؓ نے دین کے فروغ کے لئے جدوجہد کی اور ہر مرحلے میں کامیاب اور ظفر مند ہوئے۔

اہلِ علم دیکھ لیں اس روایت کی سند میں ایک صاحب نصر بن مزاحم منقری موجود ہیں پختہ رافضی ہونے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور اسلام کی ترقی سے اس بیچارے کو دلی عناد اور تکلیف تھی اس لئے ایسی واہی روایات اپنی کتابوں میں بھردی ہیں۔

الغرض حضرت امیر معاویہؓ کو منبر پر قتل کرنے والی روایات بھی سند اور درایت وعقل کے اعتبار سے بے اصل ہیں اور مقام طعن وعیب میں ان کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

## طلقاء کی بحث

حضرت امیر معاویہؓ کے مہربان لوگ آپؓ پر ایک یہ بھی طعن کر کے خوش ہوتے ہیں کہ وہ طلقاء ( آزاد کئے ہوئے لوگوں ) میں سے ہیں نیز آپ کے والد گرامی قدر حضرت ابوسفیانؓ بھی طلقاء میں سے ہیں اس طرح آپ کو "طلیق ابن طلیق" کہا جاتا ہے۔ اور اس لفظ کو مذمت، ہجو اور عیب کے معنی میں لے کر صرف حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کے حق میں استعمال کر کے ان کی شخصیات کو قابلِ نفرت وحقارت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے اس لفظ کا پس منظر سمجھ لیجئے۔ فتح مکہ سنہ ۸ھ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کعبۃ اللہ کے پاس تشریف فرما ہیں، مکہ کے سارے لوگ جن کو اپنی سرداری

اور مالداری پر ناز تھا آپ کے سامنے موجود ہیں۔ آپؐ فرمارہے ہیں کہ:

اے قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟
سب نے کہا کہ آپ بہتر معاملہ فرمائیں گے کیونکہ آپ شریف اور مہربان ہیں اور شریف ومہربان کی اولاد ہیں۔ اس وقت آپؐ نے ارشاد فرمایا: اذهبوا انتم الطلقاء، جاؤتم کو معافی دی گئی اور تم آزاد ہو۔ [۱]

یہاں پر پہلی بات یہ قابل توجہ ہے کہ اس موقع پر حضورؐ کے سامنے قریش مکہ کے مختلف قبیلے موجود ہیں، ان تمام حاضرین سے آپؐ نے خطاب فرمایا ہے، کوئی مخصوص قبیلہ، مخصوص افراد آپ کے مخاطب نہیں ہیں بلکہ بنی تیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی خزیر، بنی اسد، بنی نوفل، بنی زہرہ، بنی ہاشم اور بنی عبد شمس (بنی امیہ) وغیرہ یہ سب قبائل آپؐ کے مخاطب تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ میں متعدد بار "یامعشر قریش" (اے قریش کے لوگو!) کا جملہ استعمال فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص قبیلہ یا کسی مخصوص فرد کو آپ خطاب نہیں فرمارہے تھے۔ اس لئے بنوامیہ کے چند مخصوص افراد حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہؓ، ولید بن عقبہؓ اور عبداللہ بن ابی سرحؓ وغیرہ کو ہی طلقاء طلقاء کہہ کر عوام میں ان کے خلاف نفرت پھیلانا اور بدظنی کی فضا قائم کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ "طلقاء" کا کلمہ تو صرف معافی اور احسان کے اظہار کے لئے ہے۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں: ثم منّ علىٰ قريش بعد ان ملكهم يومئذ وقال اذهبوا فانتم الطلقاء واسلموا [۲]

(اس دن قریش پر قابو پانے کے بعد احسان فرمایا اور کہا کہ جاؤ تم آزاد ہو اور اسلام قبول کرلو)

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج:۴ص ۳۰۱ [۲] تاریخ ابن خلدون ج:۳ ص ۵

اس سے مذمت، حقارت، عیب اور برائی کے معنی کہاں سے پیدا کئے جا رہے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ صحابہ کرامؓ کے دَور میں اس لفظ کو حقارت اور طعن وعیب کے معنی میں کسی نے استعمال نہیں کیا، نہ اس کی وجہ سے ان کے آپس میں کوئی نفرت وحقارت پائی جاتی تھی۔

مزید یہ کہ انھیں "طلقاء" کو حضور اکرم ﷺ نے عہدے اور منصب عطا کئے۔ معترضین وحاسدین کے خیال کے مطابق اگر یہ اتنے ہی حقیر اور عیب دار لوگ تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسے اعزازات سے کیوں نوازا۔ چنانچہ انھیں طلقاء میں چند حضرات کے عہدے ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت عتابؓ بن اسید کو مکہ کا حاکم اور والی بنایا۔ [۱]
۲۔ حضرت ابوسفیانؓ کو نجران کے علاقہ پر عامل اور حاکم بنایا۔ قبیلہ ثقیف میں لات نام کے بت کو گرانے پر مامور فرمایا۔ [۲]
۳۔ یزید بن ابی سفیانؓ کو علاقہ تماء کا امیر بنایا۔ [۳]
۴۔ حضرت معاویہؓ کو کتابت وحی وغیرہ کے منصب پر متعین فرمایا۔ سیرت حلبیہ ج:۳ص ۳۶۴

اسی طرح حضرات شیخین ابوبکرؓ وعمرؓ کے زمانہ میں بھی ان طلقاء حضرات کو بڑے بڑے منصب دیئے گئے اور انہوں نے اسلام کی بڑی شاندار خدمات انجام دیں۔

غرض کہ زمانہ نبوت اور خیر القرون میں یہ حضرات ذلت وحقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گئے بلکہ مسلمانوں کی نظر میں یہ سب باعزت اور صاحب وقار حضرات تھے بنوامیہ اور غیر بنوامیہ میں کوئی فرق اس مبارک دَور میں نہیں تھا۔ پھر نہ معلوم کس علت کی وجہ سے اموی صحابہ کرامؓ کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ کی نگاہ میں قابل نفرت تھے۔

---

[۱] منہاج السنہ ج:۲ص ۲۰۲ [۲] نسب قریش ص ۱۱۲، [۳] الاصابہ ج:۳ص ۶۱۹

اپنے قارئین کے لئے اس مقام پر یہ بات بھی ذکر کر دینا فائدہ مند ہوگا کہ فتح مکہ کے موقع پر تقریباً دو ہزار افراد مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات خیار المسلمین (مسلمانوں کے بہترین لوگ) شمار کئے گئے ہیں جیسے حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، یزید بن ابی سفیان، حکیم بن حزام، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، عتاب بن اسید، معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ [1]

سیدنا حضرت علیؓ کی بہن حضرت ام ہانی بنت ابی طالب بھی اسی موقع پر اسلام لائی تھیں۔ [2]

## مؤلفۃ القلوب

۱۷ رمضان ۸ ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو اس وقت بے شمار لوگوں کے ساتھ قریش کے بھی بہت سے قبیلے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے فوراً بعد شوال کے مہینے میں ہی غزوۂ حنین پیش آیا اور مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بعض حضرات کے ساتھ تالیفِ قلب کا معاملہ فرمایا اور دوسرے مسلمانوں اور غزوۂ حنین میں شریک ہونے والوں سے کچھ زیادہ چیزیں ان کو دی گئیں یعنی مال غنیمت میں ان کا حصہ زیادہ رکھا گیا۔ حضورﷺ کی طرف سے یہ خصوصی رعایت اور خاص عنایت پانیوالے یہ حضرات ''مؤلفۃ القلوب'' کہلاتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی وقتی مصلحتوں کے تحت اس پر عمل کیا گیا تھا۔ نبی رحمتﷺ کی طرف سے یہ ایک مشفقانہ اور کریمانہ عمل تھا جس سے اسلام میں داخل ہونے والے نئے لوگ بہت متاثر ہوئے اور ان کی عزت

---

[1] منہاج السنہ ج:۲ ص ۲۶۰ [2] تاریخ الخمیس ج:۱ ص ۱۶۳

افزائی ہوئی جوان کے لئے تقویت کا ذریعہ ثابت ہوئی اور تذبذب ختم ہو کر ان کا اسلام مضبوط ہوا۔

اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص عنایت کے تحت حضرت معاویہؓ کو ان کے والد گرامی حضرت ابوسفیانؓ کی درخواست پر سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی دی گئی تھی۔ بس اتنی سی بات کا بتنگڑ بنا کر حضرت امیر معاویہؓ کو قابل گردن زدنی بنا دیا گیا اور عجیب عجیب اعتراض اور عیب ان کے سر تھوپ دیئے گئے۔ مثلاً:

وہ ضعیف الایمان تھے۔

وہ منافق اور واجب القتل تھے۔

وہ دنیا کے حریص اور لالچی تھے وغیرہ۔

ان سارے اعتراضات اور عیوب کی بنیاد ایک لفظ "مولفۃ القلوب" کو بنایا گیا ہے اور بعض اہل علم بھی اس سلسلہ میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے بدگمانی میں اب تک مبتلا ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی مذموم چیز نہیں ہے اور نہ ہی باعث حقارت ہے بلکہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خصوصی عنایت کا شرف ان کو حاصل ہوا تھا۔ شاید لوگوں کو امام نوویؒ وغیرہ کے اقوال سے شبہ پیدا ہوگیا ہے جہاں وہ طلقاء کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ھم الذین اسلموا من اھل مکۃ یوم الفتح و سموا بذالک لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم منّ علیھم و اطلقھم و کان فی اسلامھم ضعف۔ (یعنی طلقاء مکہ کے وہ حضرات ہیں جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ ان کو طلقاء اس لئے کہا گیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان فرما کر ان کو چھوڑ دیا تھا اور ان کا ایمان کمزور تھا۔

معترضین معاویہؓ نے امام نوویؒ کے قول میں "فی اسلامھم ضعف" دیکھا بس اس کو لے اُڑے اور اتنا خوش ہوئے جیسے کوئی بہت بڑا شکار ان کے ہاتھ لگ گیا ہو اور

تال ٹھونک کر حضرت معاویہؓ کے خلاف میدان میں آ گئے اور کہنے لگے کہ ان کا ایمان کمزور تھا۔

ان بیچارے عداوتِ معاویہؓ اور مخالفتِ صحابہؓ کے مریضوں کو تھوڑے سے غور وفکر سے بھی کام لینا چاہئے۔ امام نوویؒ ان طلقاء کے ابتدائی حال کی کیفیت بیان کر رہے ہیں: جب انہیں اسلام میں آئے ابھی صرف ۹، ۱۰ دن ہوئے ہیں، علامہ ان کی دائمی حالت کا ذکر نہیں کر رہے ہیں یعنی وہ ہمیشہ ضعیف الایمان رہے ہوں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بعد کی زندگی میں وہی ضعیف الایمان مضبوط ایمان والے بن گئے۔ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کے ایمان واسلام کا کمال اور تقویت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت قرآن کی آیتوں کی برکت اور ارشاداتِ نبویؐ کے سننے سے ہے، یہ لوگ ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں، حضورؐ کی صحبت اطمینان سے میسر نہیں آئی ہے، قرآن کی آیتیں اور آپؐ کے ارشاداتِ گرامی سننے کا موقع دستیاب نہیں ہوا ہے تو ابھی کمال اور تقویت کا سبب ہی نہیں پایا گیا، لہٰذا ابتداء میں ضعف رہا لیکن جب بعد میں یہ صورتیں میسر آ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں قوی الایمان بنا دیا اور اسلام کی عظیم الشان خدمات انھوں نے خلوص کے ساتھ انجام دیں۔ مثلاً طلقاء اور مؤلفۃ القلوب میں حضرت ابوسفیانؓ ہیں جن کے ضعیف الایمان ہونے کی بات کہی جاتی ہے لیکن بعد میں انکی ایمانی قوت کا حال دیکھئے کہ جنگ یرموک میں بڑی بے جگری کے ساتھ رومیوں کا مقابلہ کیا اور اسلامی افواج کی ہمت بڑھاتے رہے۔ فتح مکہ اور حنین کے بعد شوال ہی کے مہینہ میں غزوۂ طائف پیش آیا جس میں آپ کی ایک آنکھ شہید ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں تمھاری آنکھ ٹھیک ہو جائے گی اور اگر چاہو تو اس کے بدلہ میں جنت لے لو، یہ سن کر حضرت ابوسفیانؓ نے لٹکی ہوئی آنکھ کو کاٹ کر پھینک دیا اور جنت کو اختیار فرمایا۔ (الاصابہ ص ۱۷۳،۱۷۲) کیا یہ کام کسی ضعیف الایمان کا ہو سکتا ہے۔؟ نبی ﷺ

کی صحبت کیمیا اثر نے چند دنوں میں ہی ان کے ایمان کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ اسی لئے علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ثم لما اسلم حسن بعد ذلك اسلامه و كان له مواقف شريفة و آثار محمودة في يرموك و مابعده و ماقبله۔ [1]

یعنی ان کے اسلام میں خوبی اور بہتری پیدا ہوگئی چنانچہ یرموک کے سخت ترین معرکہ میں نیز اس سے پہلے اور اسکے بعد بھی ان سے عمدہ اور قابل تعریف کارنامے سامنے آئے۔

اسی طرح ان کی بیوی حضرت ہندہؓ بھی فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائیں طلقاء میں سے تھیں، ان کے بارے میں علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں:

لما اسلمت كانت علىٰ غاية من التثبت و اليقظة فانها اثر البيعة۔ [2]

یعنی جب یہ اسلام لائیں تو بہت استقامت اور ہوشیاری کے ساتھ رہیں اور یہی بیعت کی علامت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے اس کے آگے لکھا ہے کہ ایمان لانے کے بعد یہ اپنے گھر آئیں اور بت کے پاس جا کر اس کو تبر سے مار مار کے توڑ ڈالا اور کہنے لگیں کہ ہم تیری وجہ سے بہت دھوکہ میں رہے۔

ہم یہاں حضرت معاویہؓ کے سلسلے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ ان کے قوی الاسلام ہونے کے سلسلے میں علامہ سیوطیؒ کا یہ جملہ کافی ہے: ثم حسن اسلامہ (تاریخ الخلفاء) پھر ان کا اسلام بہتر ہوگیا اور ضعف جاتا رہا۔ چنانچہ ان کی بعد کی زندگی ان کے طاقتور اسلام کی واضح دلیل ہے۔ آپ دیکھیں:

۱۔ ان کا کاتب وحی ہونا کیا ان کے قوی الایمان ہونے کی دلیل نہیں ہے؟

۲۔ فقیہ اور مجتہد ہونا کیا ان کے حسن اسلام کی دلیل نہیں ہے؟

[1] (البدایہ ج: ۸/ص ۱۱۷) [2] تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان فصل اول ص ۱۷

۳۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا امیر بنانا اور مسلسل بنائے رکھنا کیا ان کے قوی الایمان اور مخلص ہونے کی دلیل نہیں ہے؟

۴۔ خود علامہ نوویؒ کا یہ فرمانا کہ وہ عادل، فاضل اور شرفاء صحابہ میں سے تھے ان کے ثابت الاسلام اور قوی الایمان ہونے کی دلیل نہیں ہے؟ اما معاویۃ فھو من العدول الفضلاء و الصحابۃ النجباء ؎۱

۵۔ اور ملا علی قاریؒ کا فھو من العدول الفضلاء و الصحابۃ الاخیار (وہ عادل، فاضل اور منتخب صحابہؓ میں سے تھے) فرمانا ان کے قوی الایمان ہونے کی دلیل نہیں ہے؟

اس مقام پر ہر مسلمان کیلئے یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ مؤلفۃ القلوب ہونا ایک مسلمان کے لئے اس صورت میں معیوب ہے جب وہ اسلام کو حصول دولت کا ہمیشہ ذریعہ بنائے رہے لیکن ابتدائے اسلام میں زمانہ کفر سے قریب ہونے اور اسلام کے فیوض و برکات اور صحبت رسولؐ سے فیض یاب نہ ہونے کی وجہ سے ضعف تھا (جس کو علامہ نوویؒ نے ذکر کیا ہے) مگر پھر وہ حالت باقی نہ رہی، ان کے ایمان میں قوت آئی اور روز بروز اضافہ ہوتا گیا تو اس ابتدائی ضعف کو سامنے رکھ کر عیب لگانا عقل و دیانت کے نزدیک عیب ہے۔ علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں:

وانما یذم بالتالیف من بقی بوصفہ عن کونہ ممن یعبد اللہ علیٰ حرف۔ ؎۲

یعنی مؤلفۃ القلوب ہونا اس وقت باعث مذمت ہوتا جب وہ اسی حالت پر قائم رہتے۔

حضرت معاویہؓ کاتب وحی رہے، حضورؐ نے ان پر بھروسہ فرمایا، ان کو بلا بلا کر وحی اور فرامین نبوت کی کتابت کرائی، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں

؎۱ مسلم، نووی، ج: ۲ص ۲۷۲ ؎۲ تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان ص ۱۶

حاکم اور امیر کے عہدہ پر فائز رہے، بہت سے اسلامی کام کیے، جنگوں میں شریک ہوکر اسلام کی خدمت کی۔ حیرت ہے کہ یہ سب کچھ کیا مگر پھر بھی وہ ضعیف؟ اور ضعیف بنانے والے وہ جوان کی گرد کے برابر بھی نہیں۔

اس سے آگے بڑھ کر میں کہتا ہوں کہ وہ دولت کے لئے مسلمان ہوئے ضعیف الاسلام رہے، لیکن رہے تو مسلمان، مسلمانوں کی فہرست میں تو شامل رہے، کچھ تو اسلام مدہا، خواہ دولت ہی کے لئے۔ وہ دولت مسلمان بنانے کے کام آئی لیکن ان بدنصیبوں سے تو کہیں اچھے ہیں جو دولت سے کفر اور بدعت، ضلالت اور گمراہی حاصل کریں، حصولِ دولت کے لئے ایک ہاتھ کو شیعہ بنا دیں، شیعوں کو خوش کرنے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کریں۔ کتنا بڑا فرق ہے کہ ایک دولت کے ذریعہ اسلام کو پائے اور ایک دولت کے ذریعہ بے دینی کمائے اور عقیدہ برباد کرے اور فساد پھیلائے۔

پھر یہ ساری بحث تو اس وقت ہے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مؤلفۃ القلوب میں سے ہونا مسلم اور متفق علیہ ہو، اس کے برخلاف ایسے ثبوت اور شواہد بھی موجود ہیں کہ وہ نہ مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں نہ ہی طلقاء میں سے۔ اس لئے یہ کہ دونوں قسمین فتح مکہ کے بعد سامنے آئی ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: واقدی کا بیان ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ کے دن اسلام لائے مگر انھوں نے اپنے والدین سے اپنا اسلام چھپایا اور فتح مکہ کے موقع پر ظاہر کیا۔ اس بنا پر وہ واقعۂ عمرہ میں جو حدیبیہ کے بعد سنہ ۷ھ میں فتح مکہ سے ایک سال پہلے ہوا تھا مسلمان تھے، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے امام باقر رحمہ اللہ سے انھوں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں نے مروہ کے پاس آپ ﷺ کے بال کترے تھے۔ بخاری میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے۔ اگرچہ اس

میں مروہ کا لفظ نہیں ہے (لیکن چونکہ دوسری روایت میں مروہ کا لفظ موجود ہے لہٰذا یہ قرینہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہیں)

یہ دونوں روایتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت معاویہؓ واقعہ عمرہ میں مسلمان تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بال کتروائے نہیں بلکہ بالاتفاق منیٰ میں آپ نے بال منڈوائے تھے۔ لہٰذا یہ بال کتروانا عمرہ کے علاوہ اور کسی موقع پر نہیں ہوا۔

اس موقع پر ایک شبہ یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ بال کتروانے کا واقعہ عمرۂ جعرانہ میں ہوا ہو جو فتح مکہ اور حنین کے بعد سنہ ۸ھ میں ہوا ہے۔ (جیسا کہ بخاری کے محشی نے ذکر کیا ہے) علامہ ابن حجر مکیؒ اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: عمرہ جعرانہ آنحضرت ﷺ نے رات کے وقت پوشیدہ طور پر کیا تھا۔ اسی وجہ سے بعض صحابہؓ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ مقام جعرانہ میں عشاء کی نماز پڑھی اس کے بعد اپنی ازواج کے پاس تشریف لے گئے جب سب لوگ اپنی اپنی قیام گاہ پر چلے گئے تو آپ عمرہ کا احرام باندھ کر باہر تشریف لائے اور چند صحابہؓ کے ہمراہ مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا، اس کے بعد پھر لوٹ کر اپنے مقام پر آگئے اور صبح کے وقت اپنے خیمے سے اس طرح نکلے کہ گویا رات میں وہیں تھے۔ الغرض اس عمرہ کا حال سوائے خاص خاص صحابہؓ کے اور کسی کو معلوم نہیں ہوا اور حضرت معاویہؓ اس وقت تک خاص صحابہؓ میں نہیں تھے۔ لہٰذا یہ احتمال نکالنا کہ شاید اس عمرہ میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے بال تراشے ہوں بہت بعید ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی نکتہ چیں یہ کہے کہ انہوں نے اپنے اسلام کو چھپایا اور نبی کی طرف ہجرت نہیں کی، یہی خود بڑا نقص اور عیب ہے۔ تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ یہ ہر حالت میں عیب نہیں ہے۔ اس لئے کہ خود حضرت عباسؓ حضور اکرم ﷺ کے

چچانے بھی ایسا ہی کیا تھا، بدر میں اسلام لئے آئے تھے مگر اپنے اسلام کو فتح مکہ تک چھپائے رہے۔ اگر یہ نقص ہے تو حضرت عباسؓ کے لئے بدرجہ اولیٰ نقص ہونا چاہئے کیونکہ انہوں نے تقریباً چھ سال تک اپنا اسلام چھپایا اور حضرت معاویہؓ نے تو تقریباً ایک سال ہی چھپایا مگر کسی نے حضرت عباسؓ کے لئے اس کو نقص نہیں سمجھا کیونکہ وہ معذور تھے اسی طرح حضرت معاویہؓ نے چھپایا تو وہ بھی معذور تھے۔ معذوری یہ ہوسکتی ہے کہ ہجرت کے واجب ہونے کا انہیں علم نہ ہوا ہو۔ مزید یہ کہ ان کی والدہ نے ان کو دھمکی بھی دی تھی۔

اگر حضرت معاویہؓ کا کوئی بدخواہ اور عیب جو یہ کہے کہ واقدی کا یہ بیان کہ حضرت معاویہؓ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے تھے اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایام حج میں ہم نے عمرہ کیا ہے اس وقت معاویہؓ کافر تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ جب مان لیا گیا کہ حضرت معاویہؓ نے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا تھا تو ممکن ہے کہ حضرت سعدان کے اسلام سے بے خبر ہوں۔ لہٰذا وہ اپنے علم و جانکاری اور ظاہر حال کے مطابق حضرت معاویہؓ کو اس وقت تک کافر سمجھتے تھے۔

حضرت معاویہؓ کو جن لوگوں نے مؤلفۃ القلوب میں شمار کیا ہے انہوں نے ظاہری حال کا اعتبار کیا ہے کیونکہ ان کی نظر اس پر گئی کہ وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے، لیکن جن لوگوں نے حضرت معاویہؓ کا اسلام فتح مکہ سے ایک سال پہلے بیان کیا ہے وہ حضرت معاویہؓ کو ''مؤلفۃ القلوب'' میں شمار نہیں کرتے۔ صرف مال غنیمت کا زیادہ دینا ''مؤلفۃ القلوب ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ حضرت عباسؓ نے اپنا اسلام چھپایا پھر فتح مکہ کے دن ظاہر کیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مال سے ان کو اس قدر دیا جتنا وہ اٹھا سکے۔ لہٰذا جس طرح یہ واقعہ حضرت عباسؓ کو مؤلفۃ القلوب

نہیں بنا تا اسی طرح حضرت معاویہؓ کو کچھ دینا انکے مؤلفۃ القلوب ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ ان کا قوی الاسلام ہونا ثابت ہے۔ حضورؐ نے ان کو جو کچھ دیا وہ تالیف قلب کے لئے نہیں بلکہ عطائے محض اور خصوصی عنایت تھی جس سے ان کے والد حضرت ابوسفیانؓ کی تالیف مقصود تھی کیونکہ وہ مکہ کے اکابر اور اشراف میں سے تھے ایسے لوگوں کے لئے یہ رعایتیں کی جاتی ہیں۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق حنین کے مالِ غنیمت میں سے آپ ﷺ نے مہاجرینؓ کو دیا تھا اور انصارؓ کو کچھ نہیں دیا تھا جس کی وجہ سے ان میں کچھ چہ میگوئیاں ہوئی تھیں جب اللہ کے رسول کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے انصار کو سمجھایا وہ سمجھ گئے اور اپنی رائے پر پشیمان ہوئے۔ بخاری شریف میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے:

اصاب یومئذ غنائم کثیرۃ فقسم فی المھاجرین والطلقاء ولم یعط الانصار شیئا۔ (۱) یعنی حنین کے دن بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے مہاجرین اور طلقاء کو دیا لیکن انصار صحابہؓ کو کچھ نہیں دیا۔ کیا اس دینے سے بھی تالیف مقصود تھی اور مہاجرین جن کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملا تھا وہ بھی ضعیف الایمان تھے؟

---

(۱) بخاری ج:۲ ص ۶۲۱

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود

| کتاب کا نام | | |
|---|---|---|
| آثار التنزیل | 2 | قرآن کا تعارف |
| آثار الحدیث | 2 | حدیث کا تعارف |
| آثار التشریع | 2 | فقہ کا تعارف |
| آثار الاحسان | 2 | تصوف کا تعارف |
| خلفائے راشدین | 2 | مسئلہ خلافت و وقائع خلافت |
| عبقات | 2 | باب الاستفسارات (سوال جواب) |
| مقامِ حیات | 2 | مکینِ گنبدِ خضریٰ ﷺ کی حیاتِ برزخی کا بیان (جلد دوم زیرِ طبع) |
| تجلیات آفتاب | 2 | مقدمہ آفتاب ہدایت (مصنفہ مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ) |
| بست بابی فہرست مضامین القرآن | 2 | مختصر دورہ تفسیر قرآن |
| مطالعہ بریلویت | 10 | ایک تاریخی اور تحقیقی دستاویز |
| عقیدۃ الامۃ فی معنی ختم النبوۃ | 1 | معنی و مفہوم اور مسائل ختم نبوت (مطالعہ قادیانیت جلد اول) |
| عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ بن مریم | 1 | حیاتِ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں (مطالعہ قادیانیت جلد دوم) |
| عقیدۃ الاعلام (فی الفرق بین الکفر والاسلام) | 1 | کفر و اسلام میں تصفیہ کے بارے میں (مطالعہ قادیانیت جلد سوم) |
| مرزا غلام احمد قادیانی | 1 | مرزا اپنی تحریرات اور پیش گوئیوں کے آئینہ میں (مطالعہ قادیانیت جلد چہارم) |
| شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ | 1 | شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد اور معرکہ بالاکوٹ |
| مقدمہ کتاب الاستفسار | 1 | عیسائیت کے بارے لکھی گئی کتاب (از مولانا آل حسن رحمۃ اللہ علیہ) پر مقدمہ |
| معیار صحابیت | 1 | رافضیت کی تاریکی میں لکھی گئی باتوں کا جواب |
| نماز کا مقامِ توحید | 1 | شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت پر اعتراض کا جواب |
| آسان راستہ | 1 | قرآن و حدیث کے علمی مسائل میں الجھے بغیر قادنیت کو سمجھنے کے لیے |
| دوازدہ احادیث | 1 | ۱۲ احادیث نبویہ کی قرآن کی روشنی میں صحیح تعلیم و تفہیم |
| درس قرآن | 1 | آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں حکومت کیسے قائم ہوئی؟ (خلافت کا بیان) |
| محرم کی دس راتیں | 1 | محرم کے موضوع پر دس نادر بیانات کا مجموعہ |

محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ
LG-20، ہادیہ حلیمہ سنٹر
غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور
042-37321526
0302-4284770